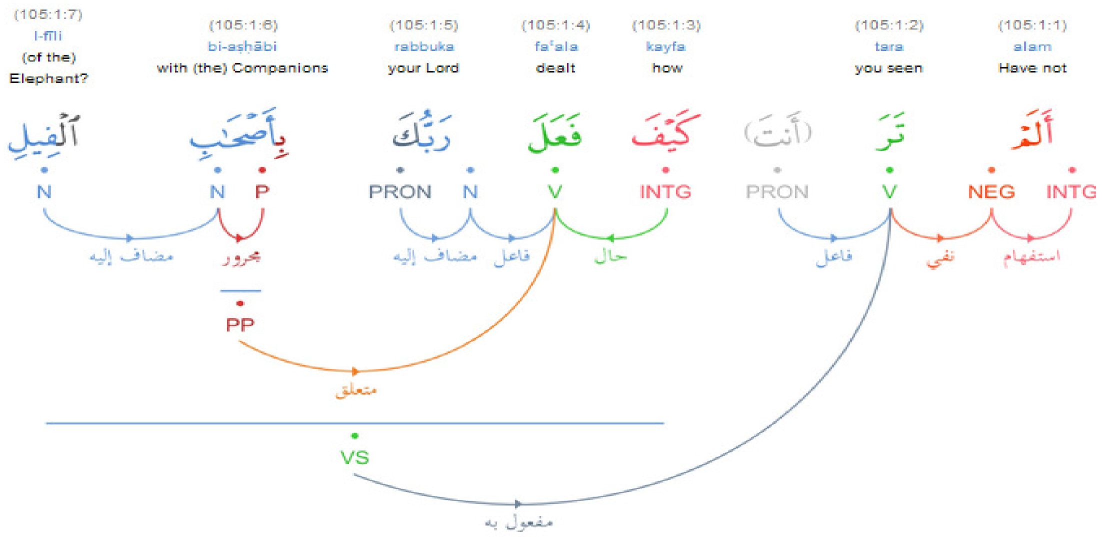

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ(۱)

"کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا کیسا کیا آپ ﷺ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ "

»کیف» اسم استفهام مفعول مطلق والمعنى: أيَّ فِعْلٍ فَعَلَ ربك؟ جملة «فعل» سدَّت مسدَّ مفعولي «تر» المعلق بالاستفهام.

اَ: حرف استفہام لَمۡ تَرَ :لَمۡ (جازم مضارع) + تَرَ: مادہ : ر ء ی (مہموز العین/ ناقص یائی) باب: (ف) زمانہ:مضارع معروف صیغہ: واحد مذکر حاضر

☆تَرَ : تَفۡعَلُ سے تَرۡئَیُ (جوھمزہ حرفِ صحیح ساکن کے بعد آئے اُس کی حرکت حرفِ صحیح کو دے کر اسے حذف کردیں) تَرَیُ

(متحرک حرفِ علتالف میں بدل جاتا ہے اگر اُس سے قبل حرف پر فتحہ ہو) تَرٰی سے مجزوم ہوکر تَرَ ترجمہ: کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا

کَیۡفَ : اسم استفہام فَعَلَ:مادہ : ف ع ل (فعل صحیح) باب: (ف) زمانہ:ماضی معروف صیغہ: واحد مذکر غائب رَبُّکَ : اسم مرفوع والکاف ضمیر متصل في محل جر بالاضافة رَبُّ (مضاف) + کَ (مضاف الیہ/ضمیر متصلہ مجرورہ/واحد مذکر حاضر) = مرکب اضافی۔

بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ: بِ (حرف جار) + اَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ(مجرور) = مرکب جاری اَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ :اَصۡحٰبِ(مضاف / صَاحِبٌ کی جمع مکسر) + اَلۡفِیۡلِ(مضاف الیہ)= مرکب اضافی

ترجمہ: کیسا کیا آپ ﷺ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ

الإعراب :

الهمزة للاستفهام التقريريّ , أو التعجبيّ، *كيف* اسم استفهام في محلّ نصب مفعول مطلق نائب عن المصدر أي فعل فعلا عظيما , أو في محلّ نصب حال عامله فعل. *بأصحاب* متعلّق بـ *فعل* ..

جملة : « لم تر ... » لا محلّ لها ابتدائيّة.

وجملة : « فعل ربّك ... » في محلّ نصب سدّت مسدّ مفعولي تر المعلّق بالاستفهام كيف.

الصرف : *الفيل* اسم للحيوان المعروف وزنه فعل بكسر فسكون.

جو یمن سے خانہ کعبہ کی تخریب کے لئے آئے تھے، الم تعلم کیا تجھے معلوم نہیں؟ استفہام تقریر کے لیے ہے، یعنی تو جانتا ہے یا وہ سب لوگ جانتے ہیں جو تیرے ہم عصر ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ عرب میں یہ واقعہ گزرے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ مشہور ترین قول کے مطابق یہ واقعہ اس سال پیش آیا جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی، اس لئے عربوں میں اس کی خبریں مشہور اور متواتر تھیں یہ واقع مختصراً حسب ذیل ہے :

واقعہ اصحاب الفیل:

حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ابرہتہ الاشرم گورنر تھا اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا (عبادت گھر) تعمیر کیا اور کوشش کی کہ لوگ خانہ کعبہ کی بجائے عبادت اور حج عمرہ کے لئے ادھر آیا کریں۔ یہ بات اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب کے لئے سخت ناگوار تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانے کو غلاظت سے پلید کر دیا، جس کی اطلاع اس کو کر دی گئی کہ کسی نے اس طرح گرجا کو ناپاک کر دیا ہے، جس پر اس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکے پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب یہ لشکر وادی محسر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج دیئے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں، جس فوجی کے بھی یہ کنکری لگتی وہ پگل جاتا اور اس کا گوشت جھڑ جاتا۔ خود ابرہہ کا بھی صنعاء پہنچتے پہنچتے یہی انجام ہوا۔ اسطرح اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی، مکے کے قریب پہنچ کر ابرہہ کے لشکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کے، جو مکے کے سردار تھے، اونٹوں پر قبضہ کر لیا، جس پر عبدالمطلب نے آکر ابرہہ سے کہا کہ تو میرے اونٹ واپس کر دے جو تیرے لشکریوں نے پکڑے ہیں۔ باقی رہا خانہ کعبہ کا مسئلہ جس کو ڈھانے کے لئے تو آیا ہے تو وہ تیرا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ اللہ کا گھر ہے، وہی محافظ ہے، تو جانے اور بیت اللہ کا مالک اللہ جانے۔ (ایسر التفاسیر)

(احسن البیان)

یعنی ہاتھی والوں کے ساتھ تیرے رب نے جو معاملہ کیا وہ تم کو ضرور معلوم ہوگا۔ کیونکہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند روز پیشتر ہوا تھا اور غایت شہرت سے بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ اسی قربِ عہد اور تواتر کی بناء پر اس کے علم کو رؤیت سے تعبیر فرمادیا۔ (تفسیر عثمانی)

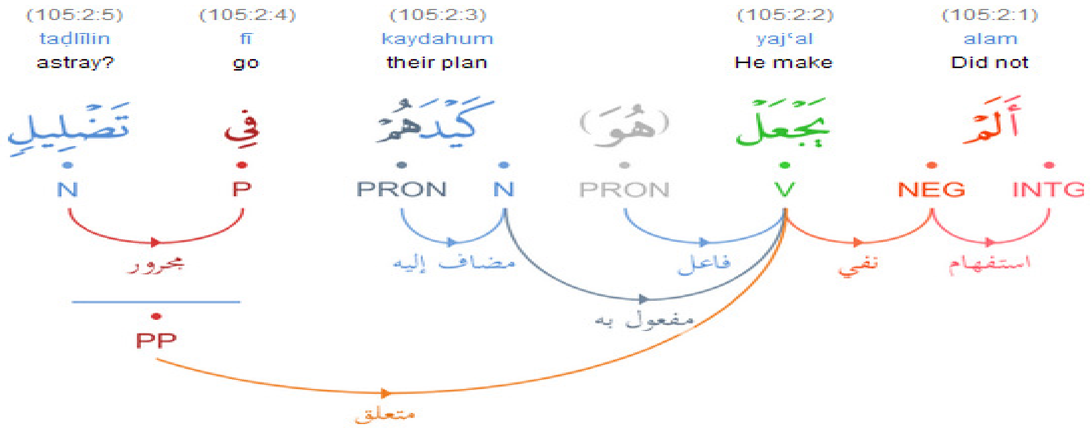

أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ (٢)

"کیا نہیں بنادیا اُن کی چال کو ناکام "

کیا ان کا داؤ غلط نہیں گیا؟ (گیا) (جالندھری) کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا؟ (کیا ان کی چال بالکل برباد نہ کر دی) (مودودی)

الجار «في تضليل» متعلق بالمفعول الثاني المقدر.

أ : حرف استفہام لَمْ يَجْعَلْ: لَمْ (جازم مضارع) + يَجْعَلْ : مادہ : ج ع ل (فعل صحيح) مجزوم باب: (ف) زمانہ: مضارع مجزوم

صیغہ: واحد مذکر غائب ترجمہ: کیا نہیں بنادیا کَیۡدَهُمۡ: کَیۡدَ (مضاف) + ہُمۡ (مضاف الیہ/ضمیر متصلہ مجرورہ/جمع مذکرغائب) = مرکب اضافی فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ : فِیۡ(حرف جار) + تَضۡلِیۡلٍ (مجرور/ باب تفعیل کا مصدر) = مرکب جاری ترجمہ: اُن کی چال کو ناکام

یعنی وہ خانہ کعبہ ڈھانے کا ارادہ لے کر آئے تھا، اس میں اس کو ناکام کر دیا۔۔ استفہام تقریری ہے۔ (احسن البیان)

ابرہہ کے مقاصد کیا تھے؟کَیۡد بمعنی چال یا خفیہ تدبیر۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو علی الاعلان دن دہاڑے کعبہ پر حملہ کرنے آیا تھااور برملا کہتا تھا کہ میں کعبہ پر حملہ کرنے آیا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں نے ہمارے کلیسا کی توہین کی ہے تو اس میں اس کی چال یا خفیہ تدبیر کیا تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی خفیہ تدبیر یہ تھی کہ کعبہ کی تخریب کے بعد اہل عرب کی توجہ اپنے کلیسا کی طرف مبذول کرے۔ اور اس سے اس کا مقصد مذہبی فوائد کا حصول نہیں تھا بلکہ وہ تمام تر تجارتی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی فوائد حاصل کرنا چاہتا تھا جو کعبہ کی وجہ سے قریش مکہ کو حاصل تھے۔ (تیسیر القرآن)

تَضۡلِیۡلٍ۔ضَلّ کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جس غرض کے لیے کوئی کام کیا جائے وہ مقصد حاصل نہ ہو اور وہ کام بالکل بے نتیجہ اور بے کار ثابت ہو۔ (تیسیر القرآن)

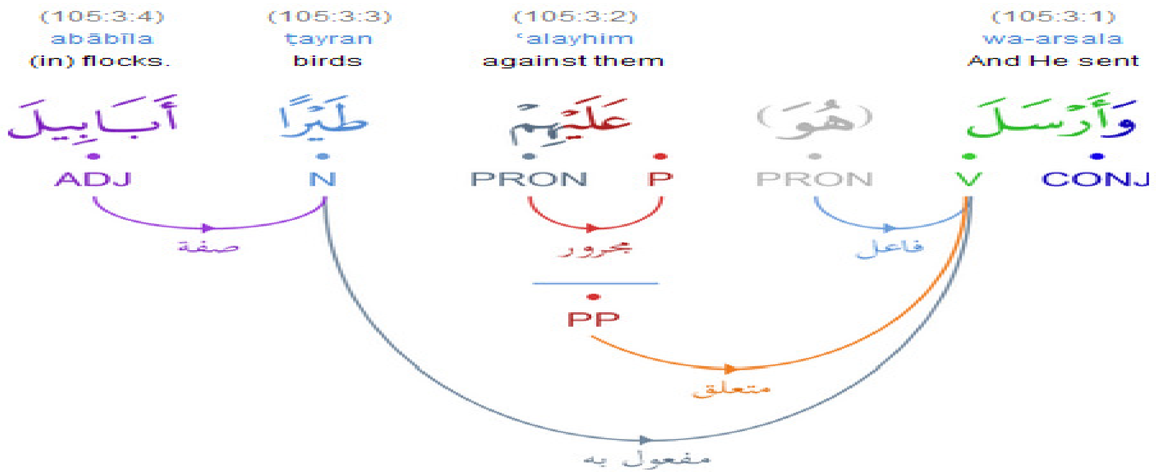

وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡهِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ(۳)

"اور اُس نے بھیجے اُن پر پرندے جھنڈ کے جھنڈ "

اور بھیجے ان پر اڑتے جانور ٹکڑیاں ٹکڑیاں (شیخ الہند) اوران پرندوں کے غول کے غول بھیج دیے (تیسیر القرآن)

»أبابيل« نعت.

وَ :واو استئناف الواو عاطفة اَرۡسَلَ :مادہ : ر س ل (فعل صحیح) باب:افعال زمانہ:ماضی معروف صیغہ: واحد مذکر غائب

عَلَیۡهِمۡ : عَلٰی(حرف جار) + ہِمۡ (مجرور/ ضمیر متصلہ مجرورہ/جمع مذکرغائب) = مرکب جاری

طَیۡرًا: مفعول/ اَرۡسَلَ کا مفعول اَبَابِیۡلَ : صفة منصوبة

ابابیل پرندے کا نام نہیں بلکہ اس کے معنی غول در غول۔ (احسن البیان)

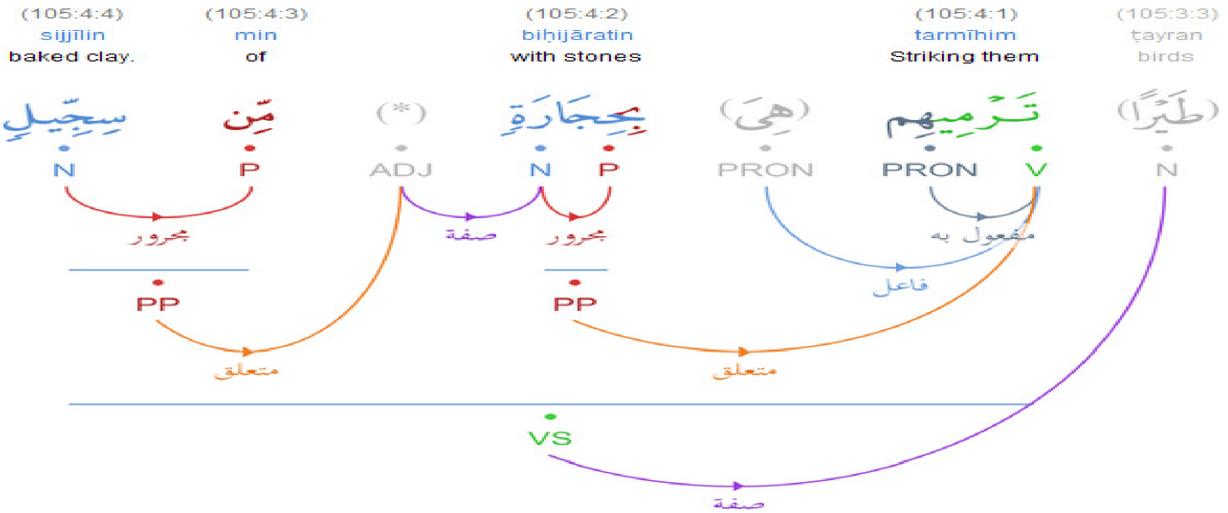

تَرۡمِيۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّيۡلٍ (۴)

" وہ پھینکتے تھے اُن پر کنکریاں "

جملة «ترميهم» نعت ثان ل»طَيْرًا.«

تَرۡمِيۡهِمۡ: فعل مضارع و«هم» ضمير متصل في محل نصب مفعول به تَرْمِيْ هِمْ :(ضمیر متصلہ منصوبہ/جمع مذکرغائب) تَرْمِیْ :مادہ : رم ی

(ناقص یائی) باب:(ض) زمانہ:مضارع معروف صیغہ: واحد مونث غائب

بِحِجَارَةٍ :بِ (حرف جار) + حِجَارَةٍ(مجرور/حِجْرٌ کی جمع مکسر) = مرکب جاری

مِّنۡ سِجِّيۡلٍ: مِنۡ(حرف جار) + سِجِّيۡلٍ(مجرور) = مرکب جاری

اصل میں لفظ ''سجّیل'' استعمال ہوا ہے جو فارسی کے الفاظ سنگ اور گل کا مُعرّب ہے۔اس کے معنی ہیں وہ مٹی جو پتھر کی طرح سخت ہو جائے۔اسی کو ہم کنکر کہتے ہیں۔
''حجارۃ من سجیل'' کے معنی ہوئے کنکر کے پتھر یا پتھریاں۔ (الکتاب)

سجیل فارسی کے لفظ سنگ گل (بمعنی مٹی کا پتھر) سے معرب ہے۔یعنی وہ نوکدار کنکریاں جن میں مٹی کی بھی آمیزش ہوتی ہے اور مٹی سے کنکریاں بن رہی ہوتی ہیں۔ تَرۡمِيۡهِمۡ رم ی بمعنی کسی چیز کو نشانہ بنا کر دور سے پتھر کنکر وغیرہ پھینکنا۔اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ پرندے ان پر کنکر گراتے تھے۔بلکہ فرمایا نشانہ بنا کر پھینک رہے تھے۔واضح رہے کہ تیر اندازی کے لیے بھی رمی کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے۔گویا وہ پرندے یا اللہ کے لشکر باقاعدہ ان پر حملہ آور ہوئے تھے۔ (تیسیر القرآن)

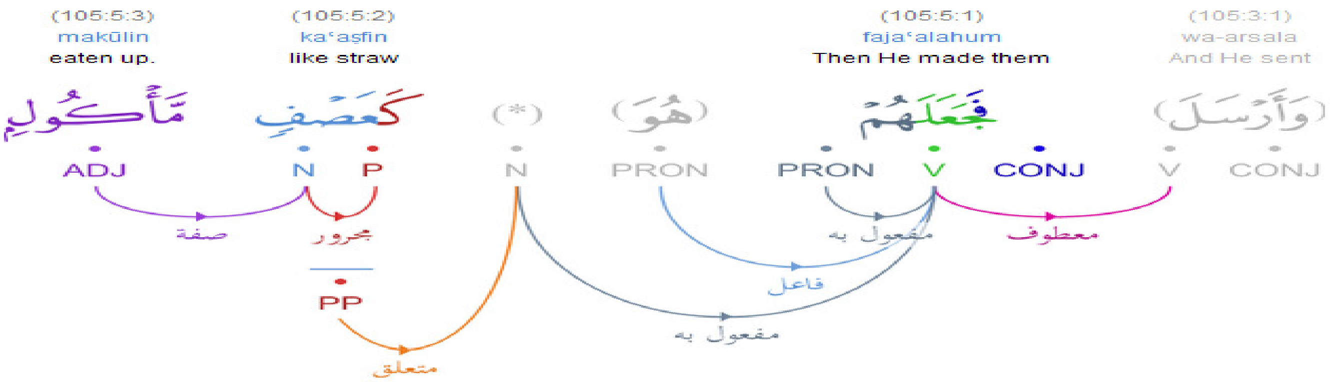

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ(٥)

"پس اُس نے بنا دیا اُن کو کھائے ہوئے بُھوسے کی مانند "

جملة «فجعلهم» معطوفة على جملة «أرسل»، الجار «كَعَصْفٍ» متعلق بالمفعول الثاني.

فَجَعَلَهُمْ : الفاء عاطفة

فعل ماض و«هم» ضمير متصل في محل نصب مفعول به فَ (حرف عطف) + جَعَلَ + هُمْ (ضمير متصلہ منصوبہ/جمع مذکر غائب)

جَعَلَ:مادہ : ج ع ل (فعل صحیح) باب:(ف) زمانہ:ماضی معروف صیغہ: واحد مذکر غائب

كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ :کَ (حرف جار) + عَصْفٍ مَّأْكُولٍ(مجرور/ مرکب توصیفی) = مرکب جاری

عَصْفٍ مَّأْكُولٍ : عَصْفٍ (موصوف) + مَّأْكُولٍ (صفت) = مرکب توصیفی

الإعراب :
الهمزة مثل الأولى *في تضليل* متعلّق بمحذوف مفعول به
ثان *عليهم* متعلّق بـ *أرسل* ، *أبابيل* نعت لـ *طيرا* منصوب ، ومنع من التنوين لصيغة منتهى الجموع *بحجارة* متعلّق بـ *ترميهم* ، *من سجّيل* متعلّق بنعت لـ *حجارة* ، *كعصف* متعلّق بمحذوف مفعول به ثان ..
جملة : « لم يجعل ... » لا محلّ لها استئنافيّة.
وجملة : « أرسل ... » لا محلّ لها معطوفة على جملة يجعل.
وجملة : « ترميهم ... » في محلّ نصب نعت ثان لـ *طيرا*.
وجملة : « جعلهم ... » لا محلّ لها معطوفة على جملة أرسل.
الصرف :
2 تضليل : مصدر قياسيّ للرباعيّ ضلّل ، وزنه تفعيل.
3 أبابيل : اسم جمع لا واحد له من لفظه ، وقيل واحده إبّول زنة سنّور أو أبّول زنة عصفور أو إبّيل زنة سكّين أو إبّال زنة مفتاح.
5 عصف : اسم لورق الزرع أو حطامه على وزن المصدر فعل بفتح فسكون.
5 مأكول : اسم مفعول من الثلاثيّ أكل ، وزنه مفعول.
البلاغة
التشبيه : في قوله تعالى « فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَأْكُولٍ » .
حيث شبههم بالعصف المأكول - وهو قش البر - لخلوه من ثمره وتطايره ، أو شبه تقطع أوصالهم بتفرق أجزاء الروث الذي أكلته الدواب وراثته ، فهو من تشبيه المحسوس بالمحسوس.
انتهت سورة « الفيل » ويليها سورة « قريش »

یعنی ان کے اجزائے جسم اس طرح بکھر گئے جیسے کھائی ہوئی بھوسی ہوتی ہے۔ (احسن البیان)

جو بیل، گائے وغیرہ کھا کر آخور چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی ایسا پراگندہ منتشر، مبتذل، بدصورت، نکما اور چورا چورا۔ (عثمانی)

سورت میں اس واقعے کے ذکر سے یہ مقصود ہے کہ قریش مکہ خصوصاً اور اہل عرب عموماً اپنے دلوں میں سوچیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔ اگر وہ پیغمبر اور اہل ایمان کی مخالفت پر اڑے رہے تو جس اللہ نے ابرہہ اور اس کے لشکر کو تہس نہس کیا تھا اسی کے غضب میں وہ بھی گرفتار ہوں گے۔ (الکتاب)

عَصۡفٌ بمعنی غلہ کے دانہ کے اوپر کے پردے اور چھلکے نیز توڑی اور بھوسہ وغیرہ جو مویشیوں کے لیے چارہ کا کام دیتا ہے۔ اور عَصۡفٍ مَّاۡكُوۡلٍ سے مراد یا تو چارے کا وہ حصہ یا ڈنٹھل ہیں جو جانور چرنے کے بعد آخری حصہ چھوڑ دیتے ہیں۔ یا چارے کا وہ حصہ ہے جو جانور کھاتے وقت یا جگالی کرتے وقت منہ سے نیچے گرا دیتے ہیں۔ گویا اس عذاب کے بعد ہاتھی والوں کی لاشوں کی حالت بھی سخت بگڑ گئی تھی۔

جو لوگ قرآن میں مذکور معجزات کی مادی تاویل کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں وہ اس معجزہ کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ دور حاضر میں پرویز صاحب نے اپنی تفسیر مفہوم القرآن میں اس کی آخری تین آیات کا ترجمہ یا مفہوم یوں بیان فرمایا ہے: (انہوں (یعنی اصحاب الفیل) نے پہاڑ کے دوسری طرف ایک غیر مانوس خفیہ راستہ اختیار کیا تھا تاکہ وہ تم پر اچانک حملہ کر دیں لیکن چیلوں اور گدھوں کے جھنڈ (جو عام طور پر لشکر کے ساتھ ساتھ اڑتے چلے جاتے ہیں، کیونکہ انہیں فطری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بہت سی لاشیں کھانے کو ملیں گی) ان کے سروں پر منڈلاتے ہوئے آگئے اور اس طرح تم نے دور سے بھانپ لیا کہ پہاڑ کے پیچھے کوئی لشکر آرہا ہے (یوں ان کی خفیہ تدبیر طشت از بام ہوگئی) چنانچہ تم نے ان پر پتھراؤ کیا۔ اور اس طرح اس لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔ (یعنی ان کا کچومر نکال دیا۔) (مفہوم القرآن ص ۱۴۸۴)

پرویزی تاویل اور اس کا جواب:۔ اب دیکھیے پرویز صاحب کا بیان کردہ مفہوم درج ذیل وجوہ کی بنا پر باطل ہے۔

۱۔ آپ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ''چیلوں اور گدھوں کے جھنڈ عام طور پر لشکر کے ساتھ ساتھ اڑتے چلے جاتے ہیں تاکہ انہیں بہت سی لاشیں کھانے کو ملیں'' دور نبوی میں بے شمار جنگیں ہوئیں تو کیا کسی اور موقع پر بھی چیلوں اور گدھوں کے لشکر کے اوپر منڈلائے تھے؟ دور نبوی کے علاوہ اور کسی بھی جنگ کے موقعہ پر کہیں اوپر چیلیں اور گدھ کبھی نہیں منڈلائے۔ لہٰذا یہ پرویز صاحب کی گپ ہے۔

۲۔ سجیل کا معنی پہاڑوں کے پتھر نہیں۔ بلکہ مٹی ملے کنکر ہیں اور یہ فارسی لفظ سنگ گل سے معرب ہے۔

۳۔ ایسے کنکر یا کنکریاں پہاڑوں کے اوپر نہیں ہوتیں۔ نہ ہی ایسی کنکریوں سے کسی ایسے لشکر جرار کو ہلاک کیا جاسکتا ہے جس میں ہاتھی بھی ہوں۔

۴۔ تَرْمِیْ واحد مونث غائب کا صیغہ پرندوں کی جماعت کے لیے استعمال ہوا ہے لیکن آپ نے اس کا ترجمہ ''تم نے ان پر پتھراؤ کیا'' بیان فرمایا۔ یہ تَرْمُوْنَ کا ترجمہ ہے۔ ترمی کا نہیں ہو سکتا۔

۵۔ علاوہ ازیں تاریخ سے بھی ایسی کوئی شہادت نہیں مل سکتی کہ اہل مکہ اصحاب الفیل کے مقابلے کے لیے نکلے ہوں۔ (تیسیر القرآن)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلَمْ تَرَ اِسْتِفْهَامُ تَعْجِيْبٍ أَيْ اِعْجَبْ **كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ** ﴿١﴾ هُوَ مَحْمُوْدٌ أَصْحَابُهُ
أَبْرَهَةُ مَلِكُ الْيَمَنِ وَجَيْشُهُ بَنٰى بِصَنْعَاءَ كَنِيْسَةً لِيَصْرِفَ إِلَيْهَا الْحَاجَّ مِنْ مَكَّةَ فَأَحْدَثَ رَجُلٌ مِّنْ كِنَانَةَ
فِيْهَا وَلَطَخَ قِبْلَتَهَا بِالْعَذِرَةِ اِحْتِقَارًا بِهَا فَحَلَفَ أَبْرَهَةُ لَيَهْدِمَنَّ الْكَعْبَةَ فَجَاءَ مَكَّةَ بِجَيْشِهِ عَلٰى أَفْيَالٍ
مُقَدَّمُهَا مَحْمُوْدٌ فَحِيْنَ تَوَجَّهُوْا لِهَدْمِ الْكَعْبَةِ أَرْسَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا قَصَّهُ فِيْ قَوْلِهِ **أَلَمْ يَجْعَلْ** أَيْ جَعَلَ
كَيْدَهُمْ فِيْ هَدْمِ الْكَعْبَةِ **فِيْ تَضْلِيْلٍ** ﴿٢﴾ خَسَارٍ وَهَلَاكٍ **وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيْلَ** ﴿٣﴾ جَمَاعَاتٍ
قِيْلَ لَا وَاحِدَ لَهُ وَقِيْلَ وَاحِدُهُ أَبُّوْلٌ أَوْ إِبَّالٌ أَوْ إِبِّيْلٌ كَعِجُّوْلٍ وَّمِفْتَاحٍ وَّسِكِّيْنٍ **تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ**
سِجِّيْلٍ ﴿٤﴾ طِيْنٍ مَطْبُوْخٍ **فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ** ﴿٥﴾ كَوَرَقِ زَرْعٍ أَكَلَتْهُ الدَّوَابُّ وَدَاسَتْهُ وَأَفْنَتْهُ أَيْ
أَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى كُلَّ وَاحِدٍ بِحَجَرِهِ الْمَكْتُوْبِ عَلَيْهِ اِسْمُهُ وَهُوَ أَكْبَرُ مِنَ الْعَدَسَةِ وَأَصْغَرُ مِنَ الْحِمَّصَةِ
يَخْرِقُ الْبَيْضَةَ وَالرَّجُلَ وَالْفِيْلَ وَيَصِلُ إِلَى الْأَرْضِ وَكَانَ هٰذَا عَامَ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سورۂ فیل مکیہ ہے۔ جس میں پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:.......... کیا آپ کو معلوم نہیں (استفہام تعجب کے لئے ہے یعنی آپ کو تعجب ہوگا) کہ آپؐ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا؟ (ہاتھی کا نام محمود اور ہاتھی والا ابرہہ نامی یمن کا راجہ تھا۔ اس کے فوجیوں نے صنعاء شہر میں ایک گرجا بنایا تھا۔ تا کہ مکہ کے لوگ بھی آ کر اس کا حج کریں۔ بنو کنانہ کے ایک شخص نے آ کر اس میں پاخانہ کر دیا۔ پھر اس نئے کعبہ کی توہین کے لئے اس پر پاخانہ لگا بھی دیا۔ اس پر ابرہہ نے قسم کھائی کہ وہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ چنانچہ اپنے لشکر سمیت ہاتھیوں کو لے کر مکہ پر چڑھائی کر دی۔ آگے آگے محمود ہاتھی تھا۔ کعبۃ اللہ پر حملہ کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ اللہ نے ان پر اپنی فوج بھیجدی۔ جس کا واقعہ آگے ہے) کیا (کعبہ ڈھانے کی) ان کی تدبیر کو ہم نے اکارت نہیں کر دیا (تباہ و برباد کر دیا ہے) اور ان پر غول کے غول پرندے بھیج دیئے (جھنڈ کے جھنڈ اور بعض کی رائے ہے کہ لفظ ابابیل کا کوئی مفرد نہیں ہے۔ اور بعض اس کو ابول، ابال، ابیل کی جمع مانتے ہیں۔ جیسے عجول کی عجاجیل اور مفتاح کی جمع مفاتیح اور مسکین کی جمع مساکین آتی ہے) جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینک رہے تھے (جو مٹی کی مگر آگ پر پکی ہوئی اینٹیں) سو اللہ نے ان کا حال کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر کے رکھ دیا (جیسے کھیت کا چارہ جس کو جانور کھا کر چھوڑ دیں، روند ڈالیں، چورا چورا

کر دیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔ ان پتھریوں کے ذریعہ جن پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جو مسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھیں۔ وہ سر پر رکھی ٹوپیں، خود اور سوار ہاتھی کو چیرتی ہوئی نکل کر زمین پر گرتی تھی۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال ہوا ہے۔

تحقیق و ترکیب:.......... **الم تر** ایک قرأت سکون را کے ساتھ بھی ہے۔ جزم کی زیادہ اظہار کے لئے اگر رؤیت قلبیہ مراد ہے اور مخاطب خاص حضورؐ ہوں تب تو کوئی اشکال نہیں۔ اسی طرح اگر مخاطب عام ہو اور رؤیت خواہ قلبیہ ہو یا رؤیت بصریہ تب بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ لیکن اگر رؤیت بصریہ مراد لی جائے اور خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو تو پھر یہ اشکال ہوگا کہ واقعہ فیل حضورؐ کی ولادت سے پچاس دن پہلے پیش آ چکا ہے۔ پھر آپ کے دیکھنے کی کیا صورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ قریبی زمانہ کی وجہ سے ابھی تک اس کے اثرات چونکہ موجود تھے۔ نیز تواتر کی حد تک اس کے دیکھنے اور نقل کرنے والے موجود تھے۔ اس لئے وہ بھی گویا آپ کا دیکھنا ہی ہوا۔

کیف۔ **فعل** کا معمول ہے **الم تر** کا معمول نہیں ہے، معنی استفہام ہونے کی وجہ سے۔

طیرا ابابیل، **اساطیر**، **شماطیط** اور **عنادید** کی طرح ابابیل ہے۔ سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آسمانی پرندے تھے۔ دنیاوی پرندے نہیں تھے۔

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابابیل خطاطیف کے مشابہ تھیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وطاویط جیسے: سیاہ سرخ مخصوص جانور ہیں اور بعض ان کو مشہور عنقا مغرب کہتے ہیں اور ابالۃ کی جمع اگر مانی جائے جس کے معنی لکڑیوں کے بڑے گٹھ کے ہیں تو چونکہ پرندوں کی ٹکڑیاں بکثرت تھیں اس لئے جمع استعمال کی گئی۔

من سجیل یہ سنگ گل کا معرب ہے اور بعض سجیل کے معنی بڑے ڈول کے لیتے ہیں۔ یا اسجال بمعنی ارسال ہے یا سجل بمعنی دفتر و مہر سے ماخوذ ہے۔ یعنی ان پر ہر ایک کا نام لکھا ہوا تھا۔

کعصف ماکول گھاس چارہ مراد ہے جو کھایا جاتا ہے۔ یا اناج کا بھوسہ مراد ہے جو پہلے جانور روند کر دانوں سے الگ کرتے ہیں پھر کھاتے ہیں۔

ربط آیات:.......... سورۂ والضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر ہوا ہے۔ ان میں عذاب الٰہی سے ڈرانا بھی ہے۔ اس سورت میں بیت اللہ کی بے حرمتی کا جو وبال حبشیوں پر آیا ہے اس سے استدلال ہے۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور اس کے تاریخی پس منظر پر اگر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بالکل ابتدائی دور کی ہے۔ وجہ تسمیہ ظاہر و باہر ہے۔

۱: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا)۔

نحو: کیف یہ فَعَلَ کی وجہ سے موضع نصب میں ہے الم تر کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ کیف میں استفہام کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ جملہ تریٰ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہو گیا ہے۔

الم ترَ میں تعجب کا اظہار ہے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو تعجب سے فرما رہے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ کفار نے آپ کا انکار کر دیا حالانکہ وہ تو اتنی بڑی آیات کو دیکھ چکے۔ معنی یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی صنعت کے آثار اہل حبشہ میں دیکھے اور اس کے متعلق متواتر خبریں سنیں پس وہ آپ کے لئے مشاہدہ کے قائم مقام ہے۔ جو اصحاب فیل کے سلسلہ میں پیش آیا۔

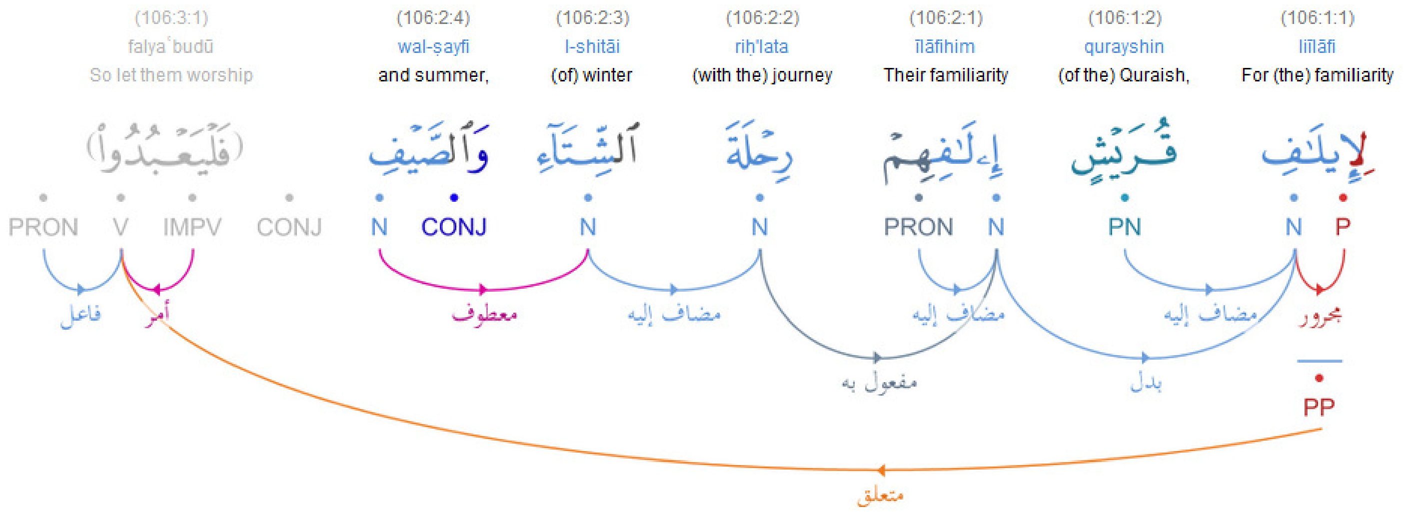

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ (۱)

" قریش کو مانوس کرنے کے لئے "

الجار «لإيلاف» متعلق ب«يعبدوا» في الآية (3).

لِاِیۡلٰفِ : لِ : حرف جار + اِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ : مجرور/مرکب اضافی = مرکب جاری جار ومجرور

اِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ : اِیۡلٰفِ :مضاف/مصدر باب افعال + قُرَیۡشٍ : اسم علم مجرور مضاف الیہ = مرکب اضافی

☆اصلی شکل : اِیۡلٰفِ : اِءۡلَافٌ (اگر کسی کلمے میں دو ہمزہ ایک ساتھ ہوں ایک متحرک ہو اور دوسرا ساکن تو دوسرے ہمزہ کو پہلے کی حرکت کے مطابق حرفِ علت میں بدل دیں گے) اِیۡلٰفٌ اسم مجرور و«هم» ضمير متصل في محل جر بالاضافة

موجودہ عثمانی قرآن کی ترتیب میں یہ سورت سورہ فیل سے علیحدہ ہے اور دونوں کے درمیان بسم اللہ کی آیت کا فاصلہ ہے مضمون کے اعتبار سے یہ سورت پہلی سے ہی متعلق ہے جیسے کہ محمد بن اسحاق عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ سے تصریح کی ہے اس بناپر معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے مکہ سے ہاتھیوں کو روکا اور ہاتھی والوں کو ہلاک کیا یہ قریشیوں کو الفت دلانے اور انہیں اجتماع میں ساتھ باامن اس شہر میں رہنے سہنے کے لیے تھا اور یہ مراد بھی کی گئی ہے کہ یہ قریشی جاڑوں میں کیا اور گرمیوں میں کیا دور دراز کے سفر امن وامان سے طے کر سکتے تھے کیونکہ مکے جیسے محترم شہر میں رہنے کی وجہ سے ہر جگہ ان کی عزت ہوتی تھی بلکہ ان کے ساتھ بھی جو ہوتا تھا امن وامان سے سفر طے کر لیتا تھا اسی طرح وطن سے ہر طرح کا امن انہیں حاصل ہوتا تھا جیسے کہ اور جگہ قرآن کریم میں موجود ہے کہ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والی جگہ بنا دیا ہے اس کے آس پاس تو لوگ اچک لئے جاتے ہیں لیکن یہاں کے رہنے والے نڈر ہیں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں لایلف ، میں پہلا لام تعجب کا لام ہے اور دونوں سورتیں بالکل جداگانہ ہیں جیسا کہ مسلمانوں کا اجماع ہے۔ تو گویا یوں فرمایا جارہاہے کہ تم قریشیوں کے اس اجتماع اور الفت پر تعجب کرو کہ میں نے انہیں کیسی بھاری نعمت عطافرمار کھی ہے انہیں چاہیے کہ میری اس نعمت کا شکر اس طرح ادا کریں کہ صرف میری ہی عبادت کرتے رہیں۔۔۔ پھر فرمایا ہے وہ رب بیت جس نے انہیں بھوک میں کھلایا اور خوف میں نڈر رکھا ناہیں چاہیے کہ اس کی عبادت میں کسی چھوٹے بڑے کو شریک نہ ٹھہرائیں جو اللہ کے اس حکم کی بجاآوری کرے گا وہ تو دنیا کے اس امن کے ساتھ آخرت کے دن بھی امن وامان سے رہے گا، اور اس کی نافرمانی کرنے سے یہ امن بھی بے امنی سے اور آخرت کا امن بھی ڈر خف اور انتہائی مایوسی سے بدل جائے گا جیسے اور جگہ فرمایا (وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ) 16-النحل:112)، اللہ تعالیٰ ان بستی والوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو امن واطمینان کے ساتھ تھے ہر جگہ سے بافراغت روزیاں کھچی چلی آتی تھیں لیکن انہیں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے کی سوجھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بھوک اور خوف کا لباس چکھا دیا یہی ان کے کرتوت کا بدلہ تھا ان کے پاس ان ہی میں سے اللہ کے بھیجے ہوئے آئے لیکن انہوں نے انہیں جھٹلایا اس ظلم پر اللہ کے عذابوں نے انہیں گرفتار کر لیا ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قریشیو! تمھیں تو اللہ یوں راحت وآرام پہنچائے گھر بیٹھے کھلائے پلائے چاروں طرف بدامنی کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور تمھیں امن وامان سے میٹھی نیند سلائے پھر تم پر کیا مصیبت ہے جو تم اپنے اس پروردگار کی توحید سے جی چراؤ اور اس کی عبادت میں دل نہ لگاؤ بلکہ اس کے سوا دوسروں کے آگے سر جھکاؤ۔ (ابن کثیر)

ایلاف کے دو پہلو:۔ایلافٌ کا مادہ الف ہے اور اس سے الفت مشہور و معروف لفظ ہے۔ الفت کا معنی ایسی محبت ہے جو خیالات میں ہم آہنگی کی وجہ سے ہو (مفردات) اور الف کے معنی کسی چیز کے منتشر اجزاء کو اکٹھا کر کے انہیں ترتیب کے ساتھ جوڑ دینا۔ کسی کتاب کی تالیف کا بھی یہی مفہوم ہے۔ گویا ایلاف کے مفہوم میں الفت، موانست اور قریش کے منتشر افراد کی اجتماعیت کے سب مفہوم پائے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایلاف کے دو مختلف پہلو ہیں۔ ایک کا پس منظر یہ ہے کہ قبیلہ قریش حجاز میں متفرق مقامات پر بکھرا ہوا تھا۔ سب سے پہلے قصیّ بن کلاب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ) کو یہ خیال آیا کہ اپنے قبیلہ کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے سارے قبیلہ کو مکہ میں اکٹھا کر دیا۔ اسی بناپر قصیّ کو مُجمّع کا لقب دیا گیا۔ اس طرح کعبہ کی تولیت اس قبیلہ کے ہاتھ آگئی۔ اور ایلاف کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہاشم کے بیٹوں کو خیال آیا کہ اس بین الاقوامی تجارت میں حصہ لینا چاہیے جو ان قافلوں کے ذریعے ہوتی تھی جو یمن سے شام و فلسطین تک جاتے تھے۔ یمن میں بلاد مشرق سے تجارت ہوتی تھی اور شام میں افریقہ و مصر سے۔ چنانچہ ہاشم کے بیٹوں نے آس پاس کے علاقوں سے تجارتی روابط قائم کیے اور عملاً تجارت میں حصہ لینا شروع کیا۔ جس سے مکہ ایک بین الاقوامی منڈی بن گیا۔ قریش کے قافلے سال بھر میں دو تجارتی سفر کرتے تھے۔ گرمیوں میں وہ شام و فلسطین کی طرف جاتے تھے۔ کیونکہ یہ علاقہ مکہ کی نسبت بہت ٹھنڈا تھا اور سردیوں میں ان کا قافلہ یمن کی طرف جاتا تھا کیونکہ یہ علاقہ مکہ کی نسبت گرم تھا۔ سال میں ان دو تجارتی سفروں سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ سال کا باقی حصہ آرام سے گھر بیٹھ کر کھاتے تھے پھر بھی ان کے پاس بہت کچھ بچ جاتا تھا۔ اس طرح وہ آسودہ حال اور خاصے مالدار بن گئے۔ یہ دونوں موسموں کے تجارتی سفر ہی ان کی تمام تر دلچسپیوں کے مرکز و محور بن گئے تھے۔ (تیسیر القرآن)

اِلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ (٢)

"اُن کو گرمی اور سردی کے سفر سے مانوس کرنے کے لئے "

»إيلافهم» بدل من «إيلاف»، «رحلة» مفعول به للمصدر «إيلافهم.«

اِلٰفِهِمْ :اِلٰفِ: مضاف /حالت جر بوجہ لِ + هِمْ :مضاف الیہ /ضمیر مجرورہ متصلہ/جمع مذکر غائب = مرکب اضافی

☆اصلی شکل : اِلْفِ : اِ اْلَافٌ (اگر کسی کلمے میں دو ہمزہ ایک ساتھ ہوں ایک متحرک ہو اور دوسرا ساکن تو دوسرے ھمزہ کو پہلے کی حرکت کے مطابق حرفِ علت میں بدل دیں گے) اِلْفٌ

رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ : رِحْلَةَ : مضاف + الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ: مضاف الیہ / مرکب عطفی = مرکب اضافی/مفعول الواو عاطفة

اسم مجرور

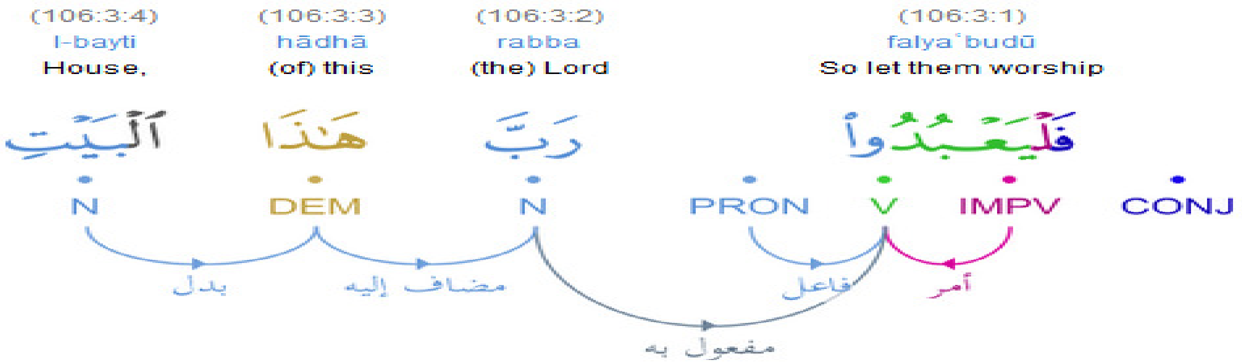

فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِۙ (۳)

"پس انہیں چاہئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں"

الفاء زائدة، واللام للأمر، والفعل مجزوم بحذف النون، «هذا» مضاف إليه.

فَلۡيَعۡبُدُوۡا : فَ:حرف عطف + لِ : لام امر +يَعْبُدُوْا : مادہ :ع ب د باب : (ن) زمانہ:مضارع مجزوم صیغہ: جمع مذکرغائب الفاء عاطفة اللام لام الامر فعل مضارع مجزوم والواو ضمير متصل في محل رفع فاعل

رَبَّ : مفعول اسم منصوب هٰذَا الۡبَيۡتِ: هٰذَا :اسم اشارہ /واحد مذکر + اَلْبَيْتِ: مشارٌ الیہ = مرکب اشاری

لِاِیْلٰفِ میں ابتدائی لام تعلیل کے لیے آیا ہے یعنی چونکہ اللہ نے قریش کے منتشر افراد کو مکہ میں ایک مقام پر اکٹھا کر دیا تھا ان میں الفت پیدا کر دی تھی اور وہ ایک دوسرے سے مانوس تھے۔ پھر کعبہ کی تولیت بھی ان کے سپرد کر دی تھی۔ مزید برآں انہیں گرمی اور سردی کے تجارتی سفروں سے مانوس کر دیا تھا لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر یعنی کعبہ کے مالک ہی کی عبادت کریں۔ کیونکہ قریش معاشرتی، سیاسی، تمدنی اور تجارتی جو فوائد بھی حاصل کر رہے تھے وہ اس کعبہ کی بدولت ہی حاصل کر رہے تھے۔ لہٰذا انہیں صرف ایک ہی رب کی عبادت کرنی چاہیے جو اس گھر کا مالک ہے۔ دوسرے معبودوں یا ان تین سو ساٹھ بتوں کی نہیں کرنی چاہیے۔ (تیسیر القرآن)

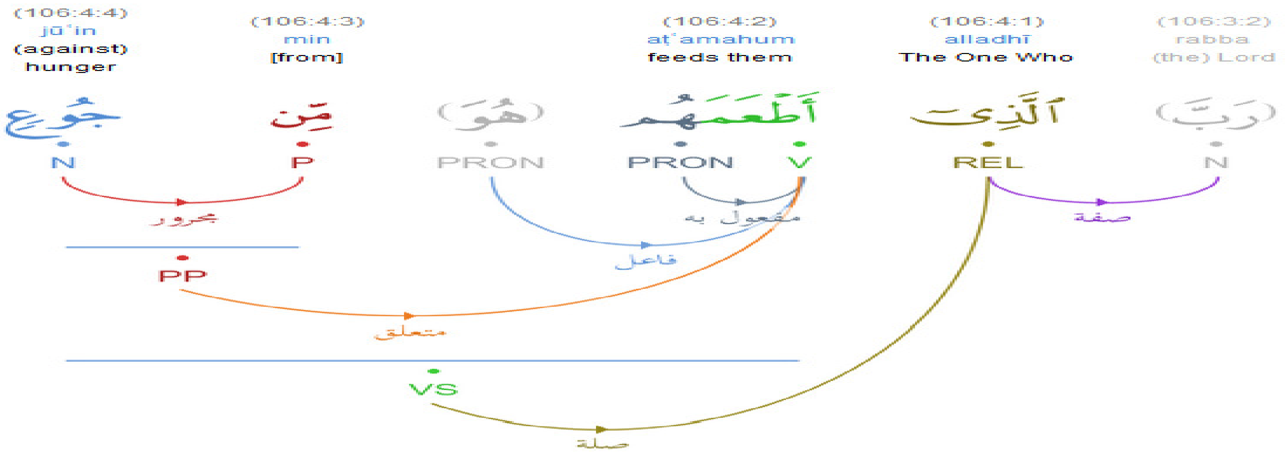

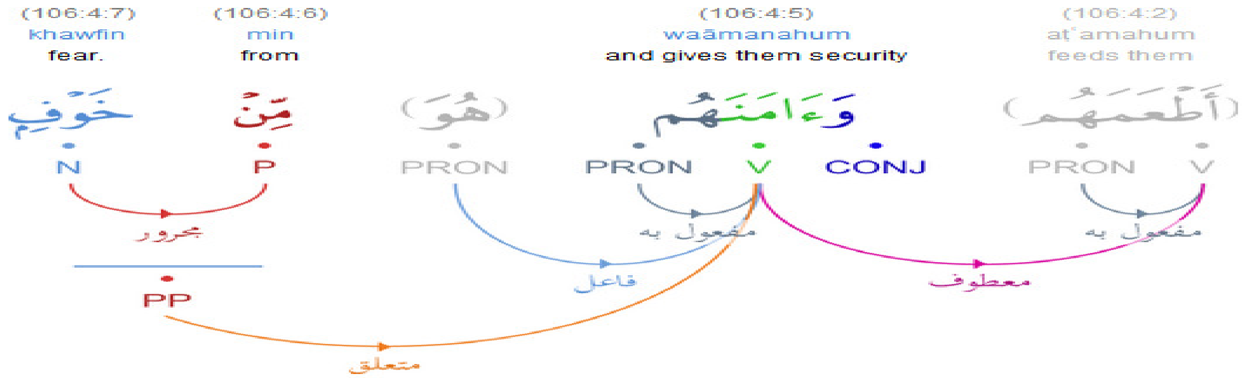

الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ (۴)

"جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف میں امن دیا"

»الذي» نعت لـ»رَبَّ.« اَلَّذِيْ : اسم موصولہ اَطْعَمَهُمْ : اَطْعَمَ + هُمْ : ضمیر منصوبہ متصلہ/جمع مذکر غائب فعل ماض و«هم» ضمير متصل في محل نصب مفعول به اَطْعَمَ :مادہ :ط ع م باب :افعال زمانہ:ماضی معروف صیغہ: واحد مذکر غائب

مِنْ جُوْعٍ : مِنْ : حرف جار + جُوْعٍ : مجرور = مرکب جاری وَ : واو استیناف اٰمَنَهُمْ : اٰمَنَ + هُمْ : ضمیر منصوبہ متصلہ/جمع مذکر غائب الواو عاطفة فعل ماض و«هم» ضمير متصل في محل نصب مفعول به اٰمَنَ : مادہ :ط ع م باب :افعال زمانہ:ماضی معروف صیغہ: واحد مذکر غائب ☆اصلی شکل : اٰمَنَ :أأمَنَ (اگر کسی کلمے میں دو ہمزہ ایک ساتھ ہوں۔ایک متحرک ہو اور دوسرا ساکن تو دوسرے ھمزہ کو پہلے کی حرکت کے مطابق حرفِ علت ہیںبد ل دیں گے) اٰمَنَ مِنْ خَوْفٍ:مِنْ : حرف جار + خَوْفٍ : مجرور = مرکب جاری

الإعراب :

لإيلاف متعلّق بـ *يعبدوا* الآتي , * أي من أجل إيلاف قريش .. ليعبد القرشيون ربّ هذا البيت - وهذا قول الخليل والزمخشريّ من بعده - ويجعل الطبريّ اللام للتعجّب فتتعلّق بفعل محذوف تقديره اعجبوا لإيلاف قريش وتركهم عبادة ربّ البيت .. ويجوز أن يتعلّق الجارّ بمحذوف تقديره فعل ذلك أي إهلاك أصحاب الفيل. *إيلافهم* بدل من الأول مجرور *رحلة* مفعول به للمصدر إيلافهم *الفاء* رابطة لجواب شرط مقدّر *اللام* لام الأمر *الذي* موصول في محلّ نصب نعت لربّ *من جوع* متعلّق بـ *أطعمهم* و*من* سببيّة , أو بتضمين أطعمهم بمعنى أشبعهم و*من* لابتداء الغاية. *من خوف* متعلّق بـ *آمنهم* ..

جملة : « يعبدوا ... » في محلّ جزم جواب شرط مقدّر أي : إن لم يعبدوه لأيّة نعمة فليعبدوه لإيلافهم فإنّها أظهر نعمة.

وجملة : « أطعمهم ... » لا محلّ لها صلة الموصول *الذي*.

وجملة : « آمنهم » لا محلّ لها معطوفة على جملة الصلة.

الصرف :

1 إيلاف : مصدر قياسيّ للرباعيّ آلف ، أصله أألف زنة أفعل ، أو مصدر أولف زنة أفعل ، فعلى الأول خفّفت الهمزة فقلبت ياء لانكسار ما قبلها ، وعلى الثاني جرى إعلال بالقلب ، أصله أولاف ، تحرّك ما قبل الواو بالكسر فقلبت ياء .. ووزن إيلاف إفعال.

قريش ، اسم علم للقبيلة العربيّة المشهورة ، قيل هو تصغير ترخيم من قويرش تصغير قارش ، جمعه قرش بضمّتين.

2 رحلة : قيل هو اسم جنس ، ولهذا أفرده ، أو اسم مصدر بمعنى الارتحال وقد أفرد لأمن اللبس ، وزنه فعلة بكسر فسكون.

الشتا ، اسم للفصل المعروف مشتقّ من شتا يشتو باب نصر ، وفيه إبدال الواو همزة لتطرّفها بعد ألف ساكنة ، أصله شتاو ، وزنه فعال بكسر الفاء.

الصيف ، اسم للفصل المعروف مشتّق من صاف يصيف باب ضرب ، وزنه فعل بفتح فسكون.

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿١﴾ **اِلٰفِهِمْ** تَاْكِيْدٌ وَهُوَ مَصْدَرُ اٰلَفَ بِالْمَدِّ **رِحْلَةَ الشِّتَآءِ** اِلَى الْيَمَنِ **وَ** رِحْلَةَ **الصَّيْفِ** ﴿٢﴾ اِلَى الشَّامِ فِىْ كُلِّ عَامٍ يَسْتَعِيْنُوْنَ بِالرِّحْلَتَيْنِ لِلتِّجَارَةِ عَلَى الْاِقَامَةِ بِمَكَّةَ لِخِدْمَةِ الْبَيْتِ الَّذِىْ هُوَ فَخْرُهُمْ وَهُمْ وَلَدُ النَّضْرِبْنِ كِنَانَةَ **فَلْيَعْبُدُوْا** تَعَلَّقَ بِهٖ لِاِيْلَافِ وَالْفَاءُ زَائِدَةٌ **رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ** ﴿٣﴾ **الَّذِىْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ** اَىْ مِنْ اَجَلِهٖ **وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ** ﴿٤﴾ اَىْ مِنْ اَجَلِهٖ وَكَانَ يُصِيْبُهُمُ الْجُوْعُ لِعَدَمِ الزَّرْعِ بِمَكَّةَ وَخَافُوْا جَيْشَ الْفِيْلِ

سورۂ قریش مکیہ ہے یا مدنیہ ہے۔اس میں چار آیات ہیں۔بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: .... چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی ان کا خوگر ہونا (یہ تاکید ہے **ایلاف آلف کا مصدر ہے**) جاڑے میں (یمن کے) اور گرمی میں سفر کے لئے (شام کی طرف سال بھر میں دو تجارتی سفر کر کے پھر مکہ میں باطمینان قیام پذیر رہتے۔تاکہ بیت اللہ کی خدمت کر سکیں جوان کے لئے باعث فخر تھیں۔قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں) لہٰذا ان کو چاہیئے کہ عبادت کریں (**لایلاف** کا تعلق **فلیعبدوا** سے ہے اس میں فا زائد ہے) اس گھر کے مالک کی جس نے انہیں بھوک میں (بھوک کی وجہ سے) کھانے کو دیا۔اور خوف سے ان کو امن دیا (مکہ میں کاشت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھوکے تھے اور اصحاب الفیل سے ڈرے ہوئے تھے)۔

تحقیق وترکیب: .... **سورة قريش** اى السورة التى ذكر فيها الامتنان على قريش **قریش تصغیر ہے قرش** کی جس کے معنی بقول ابن عباسؓ سمندری جانور کے ہیں۔جو نہایت طاقت ور ہوتا ہے اور جہازوں اور کشتیوں تک کو خاطر میں نہیں لاتا۔البتہ شیر کی طرح آگ سے ڈرتا اور گھبراتا ہے۔وہ دوسرے دریائی جانوروں کو کھا جاتا ہے۔لیکن دوسرے جانوروں کے قبضہ میں نہیں آسکتا۔اس کی تصغیر تعظیم کے لئے کر لی گئی ہے۔پھر نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہا جانے لگا۔کیونکہ عرب میں ان کی حیثیت وہی تھی جو شیر اور اس دریائی جانور کی ہے۔

اور بعض فہر بن مالک کو قریش کہتے ہیں۔قرش تقرش کے معنی کسب اور جمع کے ہیں۔فلان يقرش بعياله کہتے ہیں۔قاموس میں ہے قرشه يقرشه بمعنى قطعه وجمعه من ههنا وهنا وضم بعضه الى بعض قریش کو مختلف جگہوں سے جمع ہونے کی وجہ

سے قریش کہتے ہیں یا مختلف سامان خرید کر جمع کرتے تھے اور تجارت کرتے تھے یا نضر بن کنانہ ایک دن کپڑے میں مجمع ہو کر بیٹھا تو کہنے لگے تقرش۔ یا ایک دن قوم کے پاس آیا تو لوگ کہنے لگے۔ کانہ جمل قرش ای شدید۔

مکیۃ مفسرؒ علام تو اس کو مختلف فیہ کہہ رہے ہیں اور قاضیؒ صرف اس کو مکی مانتے ہیں۔

لایلاف : ایلاف الف سے ہے جس کے معنی مانوس اور خوگر ہونے۔ پھیلنے کے بعد مل جانے اور کسی چیز کو اختیار کرنے کے ہیں اس کی ترکیب میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) ایک پچھلی سورت کے آخری جملہ **فجعلھم کعصف ماکول** سے اس کا تعلق ہے۔ ای جعلھم کعصف ماکول لایلاف اور بقول زمخشریؒ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شعر کی تضمین کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مصحف ابی میں ان دونوں سورتوں کو ایک ہی سورت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے نماز مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ والتین اور دوسری رکعت میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا۔ اخفشؒ کی رائے بھی یہی ہے لیکن بقول کوفی علماء کی ایک جماعت نے یہ کہہ کر اس بات کو رد کر دیا ہے کہ ان دونوں سورتوں کا بلافصل ایک سورت ہونا خلاف اجماع ہے۔

(۲) اس کا متعلق محذوف مانا جائے مثلاً اعجبوا لایلاف قریش یا فعلنا اھلاك اصحاب الفیل

(۳) اس کا متعلق **فلیعبدوا** کو مانا جائے اس صورت میں **فا** شرطیہ ہو جائے گی۔ ای فان لم یعبدوا لسائر نعمہ فلیعبدوا لایلافھم۔ لایلاف میں لام تعجب ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ مثلاً: عرب کہتے ہیں لزید وما صنعابہ یعنی ذرا اس زید کو دیکھو کہ ہم نے اس کے ساتھ نیک سلوک کیا اور اس نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ پس یہاں **لایلاف قریش** کے یہ معنی ہوں گے کہ قریش کا یہ رویہ بڑا ہی تعجب خیز ہے کہ اللہ ہی کے فضل کی بدولت وہ منتشر ہونے کے بعد جمع ہوئے اور وہ اللہ کے فضل کے بدولت ہی وہ تجارت کے خوگر ہوئے جو ان کی خوشنمائی کا سبب ہے۔ مگر پھر اللہ کی بندگی ہی سے وہ روگردانی کر رہے ہیں۔ ابن جریرؒ، اخفشؒ، کسائیؒ، فرا کی اس رائے کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عرب جب اس لام کے بعد کسی بات کا ذکر کرتے ہیں۔ تو وہی بات یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی سمجھی جاتی ہے کہ اس کے ہوتے جو شخص کوئی رویہ اختیار کر رہا ہے وہ قابل تعجب ہے۔ لیکن خلیل اور زمخشریؒ لام کو تعلیل کے لئے مانتے ہوئے اس کا تعلق **فلیعبدوا** سے مان رہے ہیں۔ یعنی قریش پر یوں تو اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ لیکن اگر کسی اور نعمت کی بناء پر نہیں تو کم از کم اس نعمت کی وجہ سے ہی وہ اللہ کی عبادت کر لیں کہ وہ اس کے فضل سے تجارت کے خوگر ہوئے۔ جو ان کی خوشحالی کا باعث بنی۔

الفھم دوسرے مفسرین اس کو بدل قرار دے رہے ہیں کہ پہلے ایلاف مطلقاً ذکر کیا۔ پھر مفعول عنہ کی قید تعظیم کے لئے لا کر بطور بدل ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن مفسر علامؒ اس کو تائید کہتے ہیں۔ ابن عامر کی قرأت **لا لاف** ہے بغیر یا کے۔ **رحلۃ الشتاء** مفعول بہ ہے **ایلافھم** کا۔ اور **ایلاف** منصوب بنزع الخافض بھی ہو سکتا ہے۔ ای للرحلۃ او علی الرحلۃ ۔قبیلہ ہاشم ملک شام میں اور قبیلہ مطلب یمن میں اور قبیلہ نوفل وعبد شمس مصر وحبشہ میں تجارتی سفر کیا کرتے تھے یا یوں کہا جائے کہ موسم سرما میں گرم علاقوں کا اور موسم گرما میں سرد علاقوں کا سفر کرتے تھے۔ اس لئے رحلتی الشتاء والصیف عبارت ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن التباس کا خطرہ نہیں تھا۔ اس لئے مفرد لایا گیا۔ قریش کے تجارتی سفروں پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس سے سورۂ ایلاف اور سورۂ فیل کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ قصی بن کلاب سے پہلے تو قریش حجاز میں منتشر تھے۔ لیکن قصی نے سب کو مکہ میں یکجا کر دیا۔ اس طرح کعبۃ اللہ کی تولیت ان کے ہاتھ آ گئی۔ اس لئے قصی کو مجمع کا لقب دیا گیا۔ انہوں نے نہایت دوراندیشی سے ایک نظام ترتیب دیا اور حجاج کی خدمت کے لئے ایک عمدہ نظم قائم کیا۔ جس کے اثرات پورے ملک میں اور اطراف واکناف میں پھیل گئے۔ پھر ان کی اولاد عبد مناف اور عبد الدار میں کچھ

مناصب تقسیم ہو گئے۔ لیکن ان میں عبد مناف شروع ہی سے نمایاں ہوئے۔ جس کی وجہ سے اہل عرب ان کا لوہا ماننے لگے۔ پھر ان کے چار بیٹوں۔ ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل میں اول الذکر حضورؐ کے پردادا کو خیال آیا۔ کہ عرب کی بین الاقوامی تجارت میں حصہ لیا جائے۔ یہ وقت تھا کہ جب ایران کی ساسانی حکومت بین الاقوامی تجارت پر قابض تھی۔ اس سلسلہ میں پہلے تو قریش کو راہداری کی وہ سہولتیں حاصل تھیں جو دوسروں کو حاصل نہیں تھیں۔ دوسرے خدام بیت اللہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اس طرح ان لوگوں کی تجارت بڑی تیزی سے ترقی کرتی چلی گئی۔ اسی لئے یہ چاروں بھائی متجرین یعنی تجارت پیشہ سمجھے جانے لگے۔ اور مختلف قبائل سے روابط کی وجہ سے ''اصحاب الایلاف'' بھی کہا جانے لگا۔ جس کے معنی تعلقات پیدا کرنے والے کے ہیں۔ اس کاروبار کی وجہ سے شام، مصر، عراق، ایران، یمن، حبش تمام ممالک سے قریش کے تعلقات وسیع ہو گئے۔

مــن جــوع تنکیر تعظیم کے لئے ہے اور بعض نے کہا قحط سالی کی شدت مراد ہے جس میں لوگوں نے مردار جانور اور ہڈیاں کھائی تھیں۔ من خوف خوف عام ہے خواہ لوٹ مار کا ہو یا اصحاب فیل کا یا جذام مرض کا۔

ربط آیات: .... منجملہ مہمات والضحیٰ کے انعامات الٰہیہ پر شکر کرنا بھی ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے کہ شکر نعمت کے لئے اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ ضحاکؒ اور کلبیؒ اگرچہ اس کو مدنی سورت کہتے ہیں۔ لیکن مفسرین کی بڑی اکثریت اس کو مکی مانتی ہے۔ چنانچہ رب ھـذاالبیـت بھی اس کا قرینہ ہے۔ اسی طرح سورۂ فیل کے مضمون سے اس کا اتنا گہرا ربط ہے کہ غالباً اس کا نزول متصلاً ہوا ہوگا۔ حتیٰ کہ بعض سلف دونوں کو ایک ہی مانتے رہے۔ لیکن یہ رائے تو اس لئے قابل قبول نہیں کہ حضرات صحابہؓ کی بڑی تعداد کی مدد سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری طور پر قرآن کریم کے نسخے اسلامی مراکز میں بھجوائے۔ ان میں دونوں سورتوں کو بسم اللہ کا فصل دے کر الگ الگ لکھا ہوا ہے۔ اور اسی کے مطابق امت کا تعامل رہا ہے۔ نیز دونوں کا انداز بیان بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ جس سے واضح ہے۔ کہ دونوں سورتیں جمہور کے مطابق مستقل ہیں۔

قریش پر انعامات:

۱: لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ (چونکہ قریش خوگر ہو گئے) یہ فلیعبدوا کے متعلق ہے۔ ان کو حکم دیا گیا کہ ان کو عبادت اسی ہی کی کرنی چاہیے اس لئے کہ وہ دو سفروں سے بڑے مانوس ہیں۔ فلیعبدوا پر فاء تو اس لئے لائی گئی ہے کیونکہ کلام میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے یعنی ان پر اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتیں ہیں۔ پس اگر وہ دیگر نعمتوں کی وجہ سے عبادت نہیں کرتے۔ تو ان کو اس ایک بڑی عظیم الشان نعمت کی وجہ سے عبادت کرنا چاہیے۔

نمبر۲۔ فجعلهم كعصف ماكول کے متعلق ہے۔ لایلاف قریش یعنی یہ ہلاکت اس انس کی وجہ سے ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے شعر میں تضمین لگائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ شعر کا معنی ما قبل سے معلق اس لئے کیا جائے تا کہ شعر کا معنی صحیح ہو جائے۔ اور مصحف ابی بن کعب رضی اللہ عنہ میں یہ دونوں بلا فصل ایک سورت ہیں۔ اور کسائی رحمہ اللہ سے ان کے مابین ترک تسمیہ بھی منقول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حبشہ والوں کو ہلاک کیا جو ان کا قصد کر کے آرہے تھے تا کہ لوگ اس بات کو سنیں اور ان کا احترام کریں اور خوب احترام ہو تا کہ سفروں میں ان کو امن میسر ہو جائے اور کوئی ان پر جرأت نہ کرے۔

نمبر۳۔ ایک قول یہ ہے کہ اعجبوا لا یلاف قریش ہے۔

قراءت: شامی نے لِاِ لاف قریش پڑھا ہے ای لموافقة قریش۔ قریش کی موافقت کی وجہ سے۔ نمبر۲۔ کہا جاتا ہے: الفتهٔ اِلفا و الافا: مانوس ہونا۔ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں۔ اس کا نام القرش کی تصغیر بنا کر رکھا ہے۔ القرش سمندری زبردست جانور ہے۔ جو کشتیوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔ صرف آگ سے اس کا دفاع کیا جاسکتا ہے۔ تصغیر تعظیم کیلئے ہے۔ اس کا نام ان کی مضبوطی اور حفاظت کی وجہ سے رکھا گیا۔ دوسرا قول یہ ہے القرش کمائی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی تجارت سے کمائی کرتے اور شہروں میں سفر کر کے کماتے تھے۔

۲: اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ (یعنی جاڑے (سردیاں) اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں) یہاں ایلاف کو مطلق ذکر کیا۔ پھر اس کے بدلے رحلتین کو مقید کر کے لائے۔ تا کہ اس سے ایلاف کے معاملے کی بڑائی ظاہر ہو۔ اور اس کا عظیم نعمت ہونا یاد دلایا جائے۔

نحو: رحلة كالفظ ايلافهم کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور مراد اس سے رحلتی الشتاء والصیف (دو سفر گرمیوں اور سردیوں کے) التباس کا خطرہ نہ ہونے کی وجہ سے مفرد لائے۔ تثنیہ ذکر نہیں کیا۔

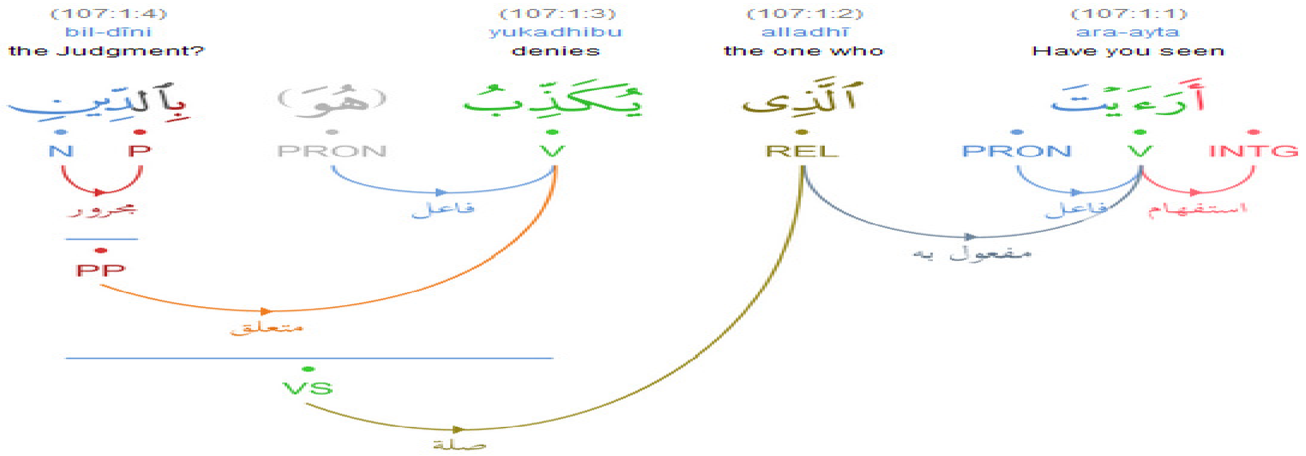

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ (۱)

"کیا دیکھا آپ ﷺ نے اُس کو جو جھٹلاتا ہے بدلہ کے دن کو"

»أرأيت» بمعنى أخبرني، وتتعدَّى لاثنين، الأول «الذي»، والثاني جملة استفهامية مقدرة: أليس مستحقًّا للعذاب، وموضع تقديرها بعد قوله»الْمِسْكِينِ.« آیہ ۳

أَ :حرف استفہام رَئَ یۡتَ : مادہ :ر ء ی باب : (ف) زمانہ: ماضی معروف صیغہ: واحد مذکرحاضر الهمزة همزة استفهام فعل ماض والتاء ضمير متصل في محل رفع فاعل اَلَّذِیۡ : اسم موصولہ یُکَذِّبُ :مادہ :ک ذ ب باب : تفعیل زمانہ:مضارع معروف صیغہ: واحد مذکرغائب بِالدِّیۡنِ :بِ : حرف جار + الدِّیۡنِ : مجرور = مرکب جاری جار ومجرور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور استفہام سے مقصد اظہار تعجب ہے۔ رؤیت معرفت کے مفہوم میں ہے اور دین سے مراد آخرت کا حساب اور جزا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلام میں حذف ہے۔ اصل عبادت ہے " کیا تو نے اس شخص کو پہچانا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے؟ آیا وہ اپنی اس بات میں صحیح یا غلط۔ (احسن البیان)

یعنی سمجھتا ہے کہ انصاف نہ ہوگا اور اللہ کی طرف سے نیک و بد کا کبھی بدلہ نہ ملے گا۔ اور بعض نے دین کے معنی " ملت " کے لئے ہیں۔ یعنی ملت اسلام اور مذہب حق کو جھٹلاتا ہے۔ گویا مذہب و ملت اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔ (عثمانی)

دین کے چار معنی:۔ دین کا لفظ چار معنوں میں آتا ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی کامل اور مکمل حاکمیت (۲) انسان کی مکمل عبودیت اور بندگی (۳) قانون جزاوسزا (۴) قانون جزاوسزا کے نفاذ کی قدرت۔ کفار مکہ ان چاروں باتوں کے منکر تھے۔ وہ صرف ایک اللہ ہی کو الٰہ نہیں مانتے تھے بلکہ اپنی عبادت میں دوسرے معبودوں کو بھی شریک کرتے تھے۔ اللہ کے قانون جزاوسزا کے بھی منکر تھے اور آخرت کے بھی۔ اس آیت میں اگرچہ بظاہر خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن تبصرہ کفار مکہ پر ہے کہ انکار آخرت نے ان میں کون سی معاشرتی اور اخلاقی برائیاں پیدا کر دی تھیں۔ (تیسیر القرآن)

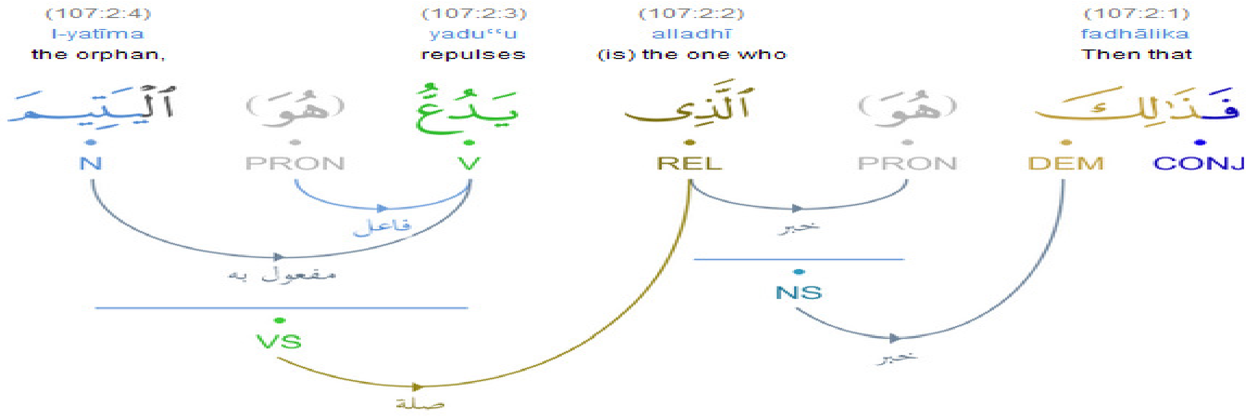

فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ (۲)

" تو وہ ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو"

جملة «فذلك الذي» جواب شرط مقدر أي: إن أردت معرفته فذلك.

فَذٰلِکَ : فَ: حرف عطف + ذٰلِکَ : اشارہ بعید/ واحد مذکر الفاء عاطفة

اسم اشارة

الَّذِیْ :اسم موصولہ یَدُعُّ : مادہ :د ع ع (مضاعف) باب : (ن) زمانہ: مضارع معروف صیغہ: واحد مذکرحاضر

☆اصلی شکل :یَدُعُّ :یَفْعُلُ کے وزن پر یَدْعُعُ (اگرمثلِ اوّل متحرک ہو اور اُس سے ما قبل حرف ساکن ہو تو مثل اوّل کی حرکت ما قبل کی طرف منتقل کردیتے ہیں) یَدُعْعُ (اگر مثلِ اوّل ساکن اور مثلِ ثانی متحرک ہو تو اس صورت میں ادغام کردیں گے) یَدُعُّ فعل مضارع

اَلْیَتِیْمَ: مفعول اسم منصوب

یتیم کی ہمدردی اور غمخواری تو درکنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بداخلاقی سے پیش آتا ہے۔ (عثمانی)

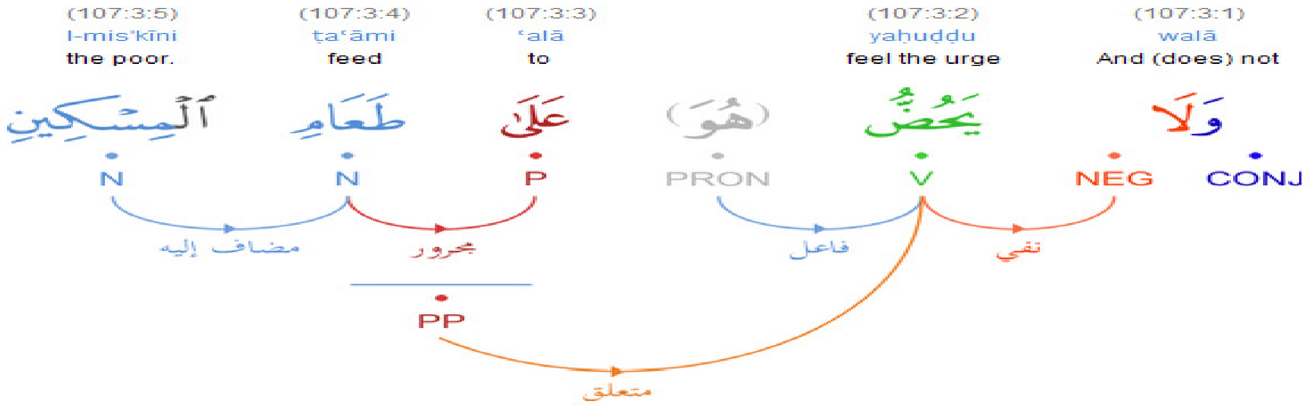

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (۳)

"اور نہیں رغبت دلاتا یتیم کو کھلانے کی "

وَ : واو استئناف الواو عاطفة لَا یَحُضُّ : لَا :لائے نفی + یَحُضُّ :مادہ :ح ض ض(مضاعف) باب : (ن) زمانہ: مضارع معروف صیغہ: واحد مذکر غائب ☆اصلی شکل :یَحُضُّ :یَفْعُلُ کے وزن پر یَحْضُضُ (اگرمثلِ اوّل متحرک ہو اور اُس سے ما قبل حرف ساکن ہو تو مثل اوّل

کی حرکت ما قبل کی طرف منتقل کردیتے ہیں) یَحُضُّ (اگر مثلِ اوّل ساکن اور مثلِ ثانی متحرک ہو تو اس صورت میں ادغام کردیں گے)

یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ : عَلٰی :حرف جار + طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ : مجرور /مرکب اضافی = مرکب جاری

طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ : طَعَامِ : مضاف + اَلۡمِسۡکِیۡنِ :مضاف الیہ = مرکب اضافی

الإعراب :
الهمزة للاستفهام *بالدين* متعلّق بـ *يكذّب* ، *الفاء* رابطة لجواب شرط مقدّر *الذي* موصول في محلّ رفع خبر المبتدأ *ذلك* ، *لا* نافية *على طعام* متعلّق بـ *يحضّ* ..
جملة : « رأيت ... » لا محلّ لها ابتدائيّة.
وجملة : « يكذّب ... » لا محلّ لها صلة الموصول *الذي*.
وجملة : « ذلك الذي ... » في محلّ جزم جواب شرط مقدّر أي إن سألت عنه فذلك الذي ...
وجملة : « يدعّ ... » لا محلّ لها صلة الموصول *الذي* الثاني.
وجملة : « لا يحضّ ... » لا محلّ لها معطوفة على جملة يدعّ.

غریب کی نہ خود خبر لے نہ دوسروں کو ترغیب دے۔ ظاہر ہے کہ یتیموں اور محتاجوں کی خبر لینا اور ان کے حال پر رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں شامل ہے اور ان کا مکارمِ اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلاء اتفاق رکھتے ہیں۔ پھر جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو، سمجھو کہ آدمی نہیں، جانور ہے۔ بھلا ایسے کو دین سے کیا واسطہ، اور اللہ سے کیا لگاؤ ہوگا۔ (عثمانی)

مگر جب انسان کو مال و دولت جوڑنے اور اسے سنبھال سنبھال کر رکھنے کی فکر لاحق ہو جائے تو وہ اتنا بخیل بن جاتا ہے کہ اسے اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کی حالت زار دیکھنے پر قطعاً رحم نہیں آتا اور ان کی اس سنگدلی کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ انہیں روز آخرت کی جوابدہی کا یقین ہی نہیں ہوتا۔ (تیسیر القرآن)

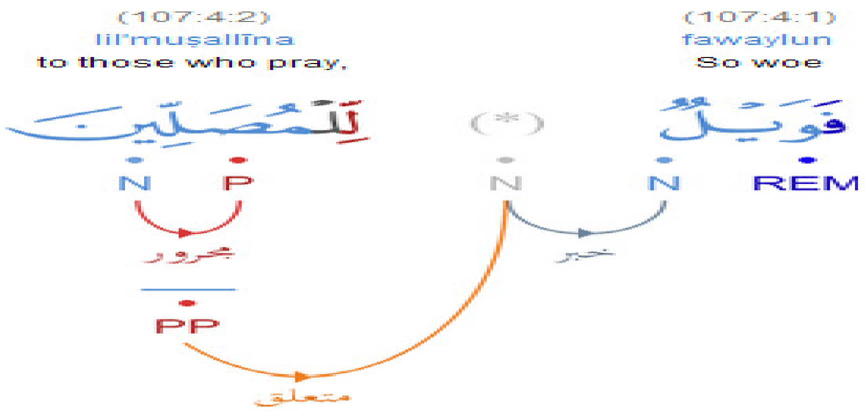

فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ (۴)

"تو تباہی ہے نمازیوں کے لئے"

الفاء مستأنفة و«ويل» مبتدأ.

فَ : حرف عطف الفاء استئنافیۃ وَیۡلٌ: مصدر لِلۡمُصَلِّیۡنَ : لِحرف جار + اَلۡمُصَلِّیۡنَ :مجرور/اسم الفاعل = مرکب جاری

اَلۡمُصَلِّیۡنَ :مادہ :ص ل ی(ناقص یائی) باب :تفعیل حالت : جر

☆اصلی شکل : مُصَلِّیۡنَ : مُفَعِّلِیۡنَ کے وزن پر مُصَلِّیِیۡنَ (اگر کسی صیغے میں دو حروفِ علت آجائیں تو ناقص کا حرفِ علتمحذوف ہو جائے گا۔اب اگر عین کلمے پر ضمّہ یا کسرہ ہو تو اس حرکت کو باقی رہنے والے حرفِعلت کے مطابق بدل دیں گے) مُصَلِّیۡنَ

اس مراد وہ لوگ ہیں نماز یا توپڑ ھتے ہی نہیں یا پہلے پڑ ھتے رہے پھر سست ہوگئے یا نماز کو اس کے اپنے مسنوں وقت میں نہیں پڑ ھتے۔ جب جی چاہتا ہے پڑھ لیتے ہیں یا تاخیر سے پڑھنے کو معمول بنا لیتے ہیں یا خشوع خضوع کے ساتھ نہیں پڑ ھتے۔ یہ سارے ہی مفہوم اس میں آ جاتے ہیں اس لیے نماز کی مذ کورہ ساری ہی کوتاہیوں سے بچنا چاہیے۔ کہاں اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ بھی واضح ہے کہ نماز میں ان کوتاہیوں کے مرتکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو آخرت کی جزا اور حساب کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی لیے منافقین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔(وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا) 4۔النساء:142)(احسن البیان)

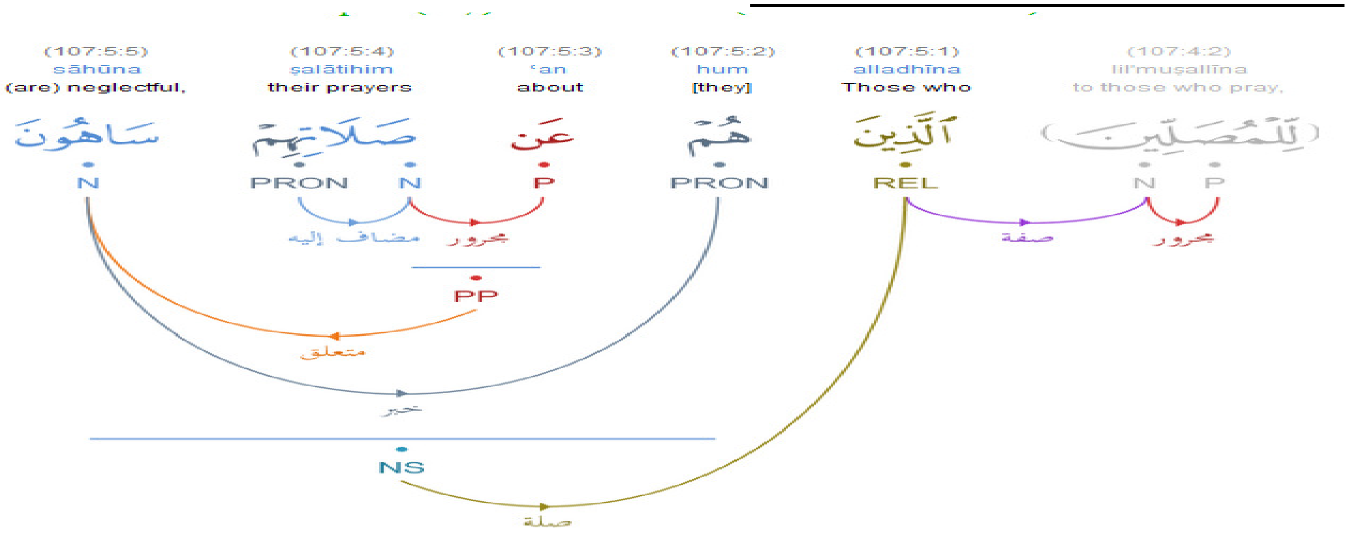

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۵)

"جو اپنی نمازوں کی طرف سے غفلت برتنے والے ہیں"

»الذین« نعت للمصلین، الجار «عن صلاتهم» متعلق ب«ساهون.«

الَّذِيْنَ : اسم موصولہ   هُمْ : ضمیر مجرورہ متصلہ/ جمع مذکر غائب

عَنْ صَلَاتِهِمْ : عَنْ : حرف جار + صَلَاتِہِمْ : مجرور /مرکب اضافی = مرکب جاری

صَلَا تِہِمْ : صَلَاتِ: مضاف + ہِمْ : مضاف الیہ = مرکب اضافی

سَاھُوْنَ :اسم الفاعل   :مادہ: س ھ ی(ناقص یائی) باب: مجرد حالت : رفع

☆اصلی شکل : سَاہُوْنَ : فَاعِلُوْنَ کے وزن پر سَاھِيُوْنَ (اگر کسی صیغے میں دو حروفِ علت آجائیں تو ناقص کا حرفِ علتمحذوف ہو جائے گا) سَاہُوْنَ (اگر عین کلمے پر ضمّہ یا کسرہ ہو تو اس حرکت کو باقی رہنے والے حرفِعلت کے مطابق بدل دیں گے) سَاہُوْنَ

اگر اس آیت کو سابقہ آیت سے متعلق قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسی بھی وہ نماز پڑھتے ہیں وہ بھی اللہ کے حکم یا آخرت کے ڈر کی وجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کو دکھانے کی خاطر پڑھتے ہیں۔ پھر اس ریا کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ منافق نماز اس لیے پڑھتے ہیں کہ دوسرے مسلمان انہیں دیکھ لیں اور ان کا شمار مسلمانوں میں ہو جائے۔ دوسری یہ کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص انہیں نماز پڑھتے دیکھ رہا ہے تو اس وقت وہ نماز بنا سنوار کر اور لمبی کر کے پڑھنے لگتے ہیں۔ ایسی نمازیں ان کو فائدہ پہنچانے کی بجائے ان کی ہلاکت کا سبب بن جائیں گی اور حقیقتاً ایسے لوگ بھی آخرت کے منکر ہی ہوتے ہیں۔ (تیسیر القرآن)

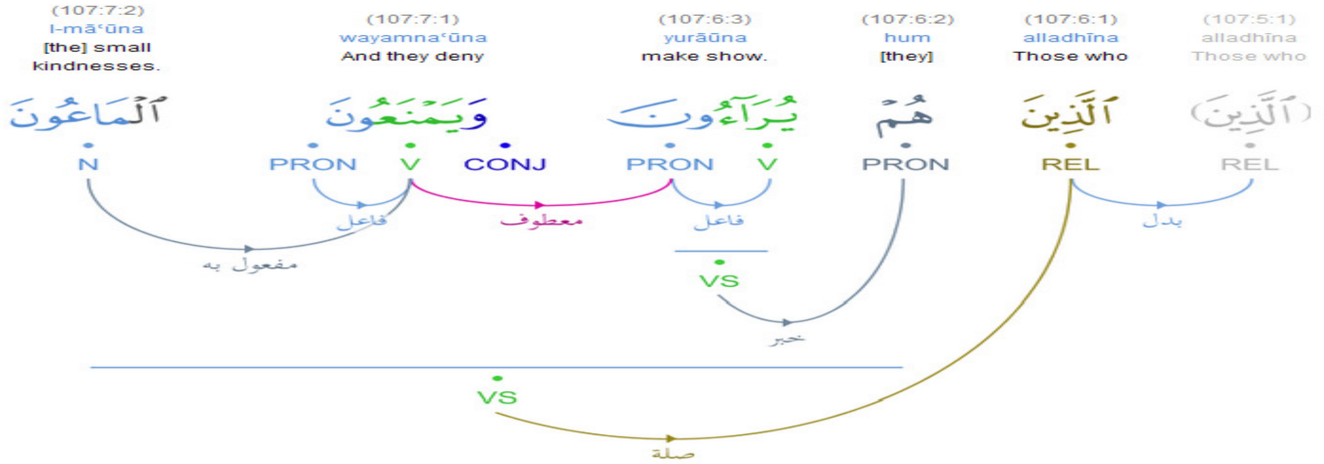

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ (٦)

"وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں"

»الذين» بدل من الموصول المتقدم.

الَّذِيْنَ : اسم موصولہ هُمْ : ضمیر مجرورہ متصلہ/ جمع مذکر غائب

يُرَآءُوْنَ :مادہ :ر ء ی(مھموز العین/ناقص یائی) باب :افعال زمانہ: مضارع معروف صیغہ: جمع مذکر غائب فعل مضارع والواو ضمير متصل في محل رفع فاعل

☆اصلی شکل: يُرَآءُوْنَ : يُفَاعِلُوْنَ سے يُرَائِيُوْنَ (اگر کسی صیغے میں دو حروفِ علت آجائیں تو ناقص کا حرفِ علتمحذوف ہو جائے گا) يُرَائِ وْنَ(اب اگر عین کلمے پر ضمّہ یا کسرہ ہو تو اس حرکت کو باقی رہنے والے حرفِعلت کے مطابق بدل دیں گے) يُرَاءُ وْ نَ

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (٧)

"اور نہیں دیتے عام ضرورت کی چیز"

وَ : واو استیناف الواو عاطفة يَمْنَعُوْنَ :مادہ :م ن ع(فعل صحیح) باب :(ف) زمانہ: مضارع معروف صیغہ: جمع مذکر غائب

الْمَاعُوْنَ :مفعول اسم منصوب

الفاء استئنافيّة *ويل* مبتدأ مرفوع *للمصلين* متعلّق بمحذوف خبر المبتدأ ويل *الذين* موصول في محلّ جرّ نعت للمصلين - أو خبر لمبتدأ محذوف تقديره هم - *عن صلاتهم* متعلّق بـ *ساهون* ، *الذين* الثاني مثل الأول - أو هو تابع للأول بالبدليّة - ..

جملة : « ويل للمصلّين ... » لا محلّ لها استئنافيّة.

وجملة : « هم ... ساهون » لا محلّ لها صلة الموصول *الذين*.

وجملة : « هم يراءون ... » لا محلّ لها صلة الموصول *الذين* الثاني.

وجملة : « يراءون » في محلّ رفع خبر المبتدأ *هم*.

وجملة : « يمنعون ... » في محلّ رفع معطوفة على جملة يراءون.

الصرف :

7 الماعون : اسم للحاجة ممّا ينتفع به في البيت حقيرا كان أو ذا قيمة ، قيل وزنه فاعول من المعن وهو الشي ء القليل - قاله قطرب - أو هو على وزن مفعول - على القلب - والأصل اسم مفعول من عان يعون وحقّه أن يكون معون والأصل معوون ثمّ قدّمت عين الكلمة على فائها فقيل موعون ثمّ قلبت الواو ألفا لفتح ما قبلها ماعون.

مَاعُوْن ہر اس برتنے والی چیز کو کہتے ہیں جو معمولی قسم کی ہو اور عام لوگوں کے استعمال میں آنے والی ہو۔ برتنے کی اشیاء گھریلو استعمال کی چھوٹی موٹی چیزیں مثلاً کلہاڑی، ہنڈیا، کھانے کے برتن، ماچس وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ زر پرستی کی ہوس اور آخرت سے انکار نے ان لوگوں میں اتنا بخل پیدا کر دیا ہے کہ یتیموں کو ان کا حق ادا کرنا اور محتاجوں کی ضروریات کا خیال رکھنا تو در کنار، وہ معمولی معمولی عام برتنے کی چیزیں عاریتاً مانگنے پر بھی دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ (تیسیر القرآن)

اس سورت میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آخرت پر ایمان نہ لانا انسان کے اندر کس قسم کے اخلاق پیدا کرتا ہے۔ پہلی تین آیتوں میں ان کفار کی حالت بیان کی گئی ہے جو علانیہ آخرت کو جھٹلاتے ہیں اور آخری چار آیتوں میں ان منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جو بظاہر مسلمان ہیں مگر دل میں آخرت اور اس کی جزا و سزا کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ مجموعی طور پر دونوں قسم کے گروہوں کے طرز عمل کو بیان کرنے سے مقصود یہ حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرنا ہے کہ انسان کے اندر ایک مضبوط، مستحکم اور پاکیزہ کردار عقیدہ آخرت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ (الکتاب)

رہی یہ بات کہ بعض لوگ مانگ کر کوئی برتنے کی چیز لے لیتے ہیں پھر واپس ہی نہیں کرتے یا اس چیز کا نقصان کر دیتے ہیں تو ایسی صورت میں شریعت نے جو احکام دیئے ہیں وہ درج ذیل احادیث میں ملاحظہ فرمایئے:

خ عاریتاً مانگی ہوئی چیز کے متعلق احکام:۔ ا۔ سیدنا انس فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بیوی کے ہاں قیام پذیر تھے۔ کسی دوسری بیوی نے کھانے کی رکابی بھیجی تو اس بیوی نے جس کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے ہوئے تھے (از راہ رقابت) خادم کے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ رکابی گر گئی اور ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکابی کے ٹکڑے اور جو کھانا اس میں تھا اسے جمع کرنے لگے اور فرمایا: ''تمہاری ماں کو غیرت آ گئی'' پھر خادم کو ٹھہرایا اور اس بیوی سے ایک سالم رکابی لے کر اس بیوی کے ہاں بھجوا دی جس نے بھیجی تھی اور یہ ٹوٹی ہوئی رکابی اسی گھر میں رکھ لی، جہاں ٹوٹی تھی۔ (بخاری، کتاب المظالم، باب اذاکسر قصعةاوشیأالغیرہ)

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مانگی ہوئی چیز واپس کرنا، ضامن کو تاوان بھرنا، اور قرضہ کی ادائیگی لازم ہے۔'' (ترمذی۔ ابواب البیوع، باب ان العاریة مؤادة)

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس ہاتھ نے جو کچھ لیا ہو اسی پر اس کا ادا کرنا واجب ہے۔ (خواہ نقد رقم ہو یا کوئی اور چیز) (ابوداؤد۔ کتاب البیوع۔ باب فی تضمین العاریہ) (تیسیر القرآن)

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَوْ نِصْفُهَا وَنِصْفُهَا سِتٌّ اَوْ سَبْعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿١﴾ بِالْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ اَيْ هَلْ عَرَفْتَهُ اَوْلَمْ تَعْرِفْهُ **فَذٰلِكَ** بِتَقْدِيْرِ هُوَ بَعْدَ الْفَاءِ **الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿٢﴾** اَيْ يَدْفَعُهُ بِعُنْفٍ عَنْ حَقِّهٖ **وَلَا يَحُضُّ** نَفْسَهٗ وَلَا غَيْرَهٗ **عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣﴾** اَيْ اِطْعَامِهٖ نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ اَوِالْوَلِيْدِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ **فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿٤﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿٥﴾** غَافِلُوْنَ يُؤَخِّرُوْنَهَا عَنْ وَقْتِهَا **الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿٦﴾** فِي الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا **وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿٧﴾** كَالْاِبْرَةِ وَالْفَاسِ وَالْقِدْرِ وَالْقَصْعَةِ

یہ سورت الماعون مکیہ یا مدنیہ ہے یا نصف نصف اور اس میں ۶ یا ۷ آیتیں ہیں۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم**

ترجمہ: .... آپ نے کیا اس شخص کو دیکھا ہے جو آخرت کی جزاء وسزا کو جھٹلاتا ہے (حساب اور بدلہ کو یعنی آپ اس کو جانتے ہیں یا نہیں جانتے؟) وہی تو ہے (فاء کے بعد ھو مقدر ہے) جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی اس کا حق دینے کے بجائے جھڑک دیتا ہے) اور نہیں اکساتا (نہ خود کو اور نہ دوسروں) مسکین کو کھانا دینے پر (یعنی اس کو کھلانے کے لئے یہ آیت عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) سو تباہی ان نماز پڑھنے والوں پر جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں (غفلت برتتے ہیں نماز بے وقت پڑھ کر) جو ریا کاری کرتے ہیں (نماز وغیرہ میں) اور معمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے گریز کرتے ہیں (جیسے سوئی، کلہاڑی، ہانڈی، پیالہ)۔

تحقیق وترکیب: .... مکیۃ ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ عطاؒ اور جابرؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ مگر ابوحیانؒ نے ابن عباسؓ اور قتادہؒ اور ضحاکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور تیسرا قول مفسرؒ نے نصف نصف کا نقل کیا ہے۔ یعنی اول نصف مکہ میں ابن وائل کے متعلق اور آخری نصف عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔

ارأیت مفسرؒ نے رؤیت عملیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور رؤیت بصریہ بھی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح مخاطب عام بھی ہوسکتا ہے۔ رؤیت علمیہ کی صورت میں سمجھنے اور غور کرنے کے معنی ہیں اردو میں بھی یہ استعمال ہے۔ کہتے ہیں ''دیکھ رہا ہوں یا ذرا یہ بھی تو دیکھو'' یعنی سمجھ رہا ہوں یا سمجھو یہاں استفہام بمعنی تعجب ہے ایک قرأت ارأیت مضارع کی طرح بغیر ہمزہ کے ہے اور ایک قرأت ارأیتک۔

الذی ،یکذب الذی جنس اور عہد دونوں کے لئے ہوسکتا ہے۔ البتہ فذلک دوسرے احتمال کی تائید کرتا ہے، دین کے معنی جزاء کے اور اسلام کے ہوسکتے ہیں۔

فذلک الذی مفسرؒ نے فا کے بعد ھو جو مقدر مانا ہے۔ وہ ضروری نہیں ہے یہ مبتداء بھی ہوسکتا ہے اور الذی یدع اس کی خبر ہے۔

بہرصورت یہ جملہ اسمیہ ہوگا۔ جس پر فاشرط مقدر کے جواب میں ہے۔ ابوجہل یا ولید یا ابن ابی مراد ہے ایک قرأت یدع بمعنی یتوک بھی ہے۔

الذین ھم عن صلاتھم یہ مرفوع المحل اور منصوب المحل اور مجرور المحل تینوں طرح ہوسکتا ہے۔ نعت یا بدل یا بیان کی صورت میں۔ اسی طرح آئندہ الذین میں بھی تینوں احتمال ہیں اور یہ مصلین کے تابع ہوسکتا ہے۔ اور موصول کے تابع بھی ہوسکتا ہے۔

یراؤن اس کی اصل **یرائیون** ہے صرفی تعلیل ہوگئی ہے۔ باب مفاعلت سے اس کا لانا واضح ہے۔ کیونکہ ریا کار لوگوں کی تعریف کے لئے عبادت کو دکھلاتا ہے۔ اور لوگ دیکھ کر تعریف کرتے ہیں۔

الماعون معن سے ماخوذ ہے فاعول کے وزن پر معتبر چیز ''**مالہ معن**'' کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس کچھ نہیں۔ قطرب کہتے ہیں کہ اعانۃ سے مفعول ہے قلب کرکے تصرف کرلیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، سعید بن جبیرؒ قتادہؒ، حسن بصریؒ، محمد بن حنفیہؒ ضحاکؒ، ابن زبیرؒ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، عطاء رحمہم اللہ کے نزدیک زکوٰۃ مراد ہے اور ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابراہیم نخعیؒ، ابو مالک وغیرہ معمولی ضرورت کی چیزیں مراد لیتے ہیں جو عام طور پر لی دی جاتی ہیں۔

ربط آیات:........ منجملہ مہمات والضحیٰ کے کفرونفاق سے بچنا ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ پوری سورت کو اگر مکی مانا جائے تو کفار مکہ مخاطب ہوں گے اور ان کو مصلین کہنا اس معنی کو ہے کہ ایمان کے ساتھ نماز وغیرہ بھی ان پر فرض ہے۔ اور مدنی کہنے کی صورت میں منافقین مخاطب ہوں گے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ منافقین اور ریا کاری کے ساتھ نماز پڑھنے والے مدینہ ہی میں تھے۔ مدینہ میں چونکہ اسلام اور مسلمانوں کو اتنی طاقت حاصل ہوگئی تھی کہ بعض لوگ محض مصلحۃ مسلمان ہوگئے تھے۔ اور ان کو مجبوراً مسجد کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ اس کے برعکس مکہ میں ایسے حالات سرے سے موجود ہی نہیں تھے کہ وہاں کسی کو دکھاوے کی نماز پڑھنی پڑے۔ وہاں تو نماز وہی پڑھتا جس کی جان ہتھیلی پر ہوتی اور وہ بھی چھپ چھپ کر پڑھتا تھا۔ اس میں دکھاوے کا کیا سوال، کھلم کھلا نماز پڑھنا دکھلاوے کے لئے نہیں۔ بلکہ جان جوکھوں میں ڈالنے کے لئے ہوتا تھا۔ وہاں اگر منافقین کی کوئی قسم پائی جاتی تھی۔ تو وہ ریاکارانہ نماز پڑھنے والوں کی نہیں بلکہ ان لوگوں کی تھی۔ جو دل میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسرحق سمجھتے تھے۔ مگر اپنی وجاہت وشخصیت کو برقرار رکھنے کے لئے اور اپنا بھرم باقی رکھنے کے لئے کفر سے چمٹے ہوئے تھے۔ اور کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ رہا آدھی سورت کا مکی اور آدھی کا مدنی ہونا سو اس کی توجیہ ظاہر ہے۔ یعنی سابقہ دونوں توجیہات کا مجموعہ۔ وجہ تسمیہ بھی ظاہر ہے۔

نمازیوں پر نماز کا ادبار:........ **فویل للمصلین** اس میں فا لانے کا مطلب یہ ہے کہ کھلے ہوئے منافقین کا حال تو تم نے ابھی سن لیا ہے۔ اب ان کا حال سنو جو خود کو نماز پڑھنے والے مسلمانوں میں سمجھتے ہیں۔ مگر آخرت کو جھوٹ سمجھتے ہیں اس لئے دیکھو تو وہ

۱: **اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ** (کیا آپ نے شخص کو دیکھا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے) یعنی **ھل رایت الذی یکذب بالجزاء من ھو؟ ان لم تعرفہ۔** کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو جزاء کو جھٹلاتا ہے وہ کون ہے؟ اگر تم اس کو نہیں پہچانتے ہو۔

یتیم کو دھکے دینے والا:

۲: **فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ** (پس وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے) **ذالک** وہ جو قیامت کو جھٹلاتا ہے وہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے زور سے دھکیلتا ہے بڑی سختی اور ایذاء کے ذریعہ اور اس کو بھدے انداز سے درشتی اور ڈانٹ ڈپٹ سے واپس کرتا ہے۔

قول انس رضی اللہ عنہ وحسن رضی اللہ عنہ:

کہ اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے فرمایا: عن صلاتھم ۔فی صلاتھم نہیں فرمایا۔ کیونکہ عن کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز کو اس طرح بھولنے والے ہیں، کہ وہ بھولنا ترک صلوٰۃ تک پہنچا ہوا ہے۔ اور قلت التفات پیدا ہو چکی ہے اور یہ منافقین کا فعل ہے۔

اور فی کا معنی ان کو سہو اس میں پیش آتا ہے۔ جس میں شیطان وسوسہ ڈال دیتا ہے۔ یا حدیث نفس کی دخل اندازی ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات مسلمان کو پیش آتی رہتی ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ کو نماز میں سہو پیش آ جاتا اور تو کیا چیز ہیں۔

المراء ۃ یہ الاراء ۃ سے باب مفاعلہ ہے کیونکہ دکھلاوا کرنے والا لوگوں کو اپنا عمل دکھاتا ہے۔ وہ خود پسندی اور تعریف کروانے کیلئے دکھلاوا کرتے تھے ورنہ فرائض کو ظاہراً ادا کرنے سے آدمی ریاکار نہیں بنتا۔ بلکہ فرائض کا حق یہ ہے کہ وہ علی الاعلان بجالائے جائیں۔ آپ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ ولا غمۃ فی فرائض اللہ! فرائض اللہ میں اخفاء نہیں۔ بلکہ اخفاء نوافل میں ہے۔ اگر ان کو بھی اس نیت سے ظاہر کرے کہ لوگ اس کی اقتداء کریں تو مستحسن ہے (یعنی نوافل کو پڑھیں گے)۔

الماعون زکوۃ۔

قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ:

یہ ہے اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ایک دوسرے کو عاریۃً دی جاتی رہتی ہیں مثلاً ہنڈیا، ڈول، پیالہ وغیرہ۔

قول عائشہ رضی اللہ عنہا:

پانی، آگ، نمک وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

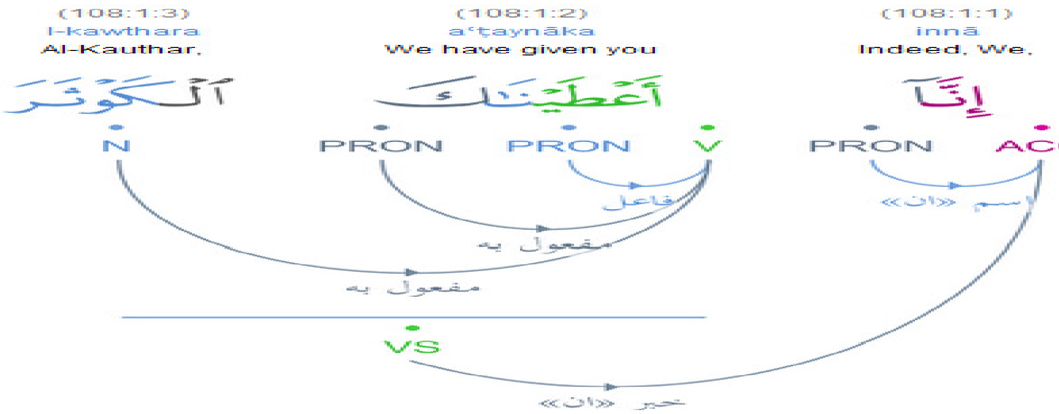

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ (۱)

"بے شک اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو کوثر دی"

اِنَّاۤ : اِنَّ : حرف مشبہ بالفعل + نَا: ضمیر منصوبہ متصلہ /جمع متکلم حرف نصب و«نا» ضمير متصل في محل نصب اسم «ان«

اَعۡطَیۡنٰکَ :اَعۡطَیۡنَا + کَ : ضمیر منصوبہ متصلہ / واحد مذکر حاضر اَعۡطَیۡنَا : مادہ :ع ط و (ناقص واوی) باب :افعال زمانہ: ماضی معروف صیغہ: جمع متکلم فعل ماض و«نا» ضمير متصل في محل رفع فاعل والكاف ضمير متصل في محل نصب مفعول به

اَلۡکَوۡثَرَ : مفعول اسم منصوب

اس کا دوسرا نام سورۃ النحر بھی ہے۔ (احسن البیان)

کوثر، کثرت سے ہے اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ابن کثیر نے "خیر کثیر" کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آجاتے ہیں۔ مثلاً صحیح حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نہر مراد ہے جو جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی جائے گی۔ اس طرح بعض حدیث میں مصداق حوض بتایا گیا ہے، جس سے اہل ایمان جنت میں جانے سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے پانی پیئں گے۔ اس حوض میں بھی پانی اسی جنت والی نہر سے آرہا ہوگا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع و دوام ذکر اور آخرت کا اجر و ثواب، سب ہی چیزیں "خیر کثیر" میں آجاتی ہیں۔ (ابن کثیر) (احسن البیان)

"کوثر" کے معنی "خیر کثیر" کے ہیں۔ یعنی بہت زیادہ بھلائی اور بہتری، یہاں اس سے کیا چیز مراد ہے۔ "البحر المحیط" میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کئے گئے ہیں اور اخیر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ اس لفظ کے تحت میں ہر قسم کی دینی و دنیاوی دولتیں اور حسی و معنوی نعمتیں داخل ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں امتِ مرحومہ کو ملنے والی تھیں۔ ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ "حوض کوثر" بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے اور جس کے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو محشر میں سیراب فرمائیں گے۔ اے ارحم الراحمین! تو اس خطاکار و سیاہ کو بھی اس سے سیراب کیجئے (تنبیہ) "حوض کوثر" کا ثبوت بعض محدثین کے نزدیک حدِ تواتر تک پہنچ چکا ہے ہر مسلمان کو اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ احادیث میں اس کی عجیب و غریب خوبیاں بیان ہوئی ہیں۔ بعض روایات سے اس کا محشر میں ہونا اور اکثر سے جنت میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے تطبیق یوں دی ہے کہ اصل نہر جنت میں ہوگی اور اسی کا پانی میدان حشر میں لاکر کسی حوض میں جمع کر دیا جائے گا۔ دونوں کو "کوثر" ہی کہتے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (عثمانی)

دنیا میں بھی آپ کو خیر کثیر سے نوازا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت دی گئی اور قرآن جیسی عظیم نعمت دی گئی جس نے ایک وحشی اور اجڈ قوم کی ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں کایا پلٹ کے رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشن کو اپنے جیتے جی پوری طرح کامیاب ہوتے دیکھ لیا۔ عرب میں کفر و شرک کا کلی طور پر استیصال ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک ایسی جماعت چھوڑی جو تھوڑے ہی عرصہ میں تمام دنیا پر چھا گئی۔ (تیسیر القرآن)

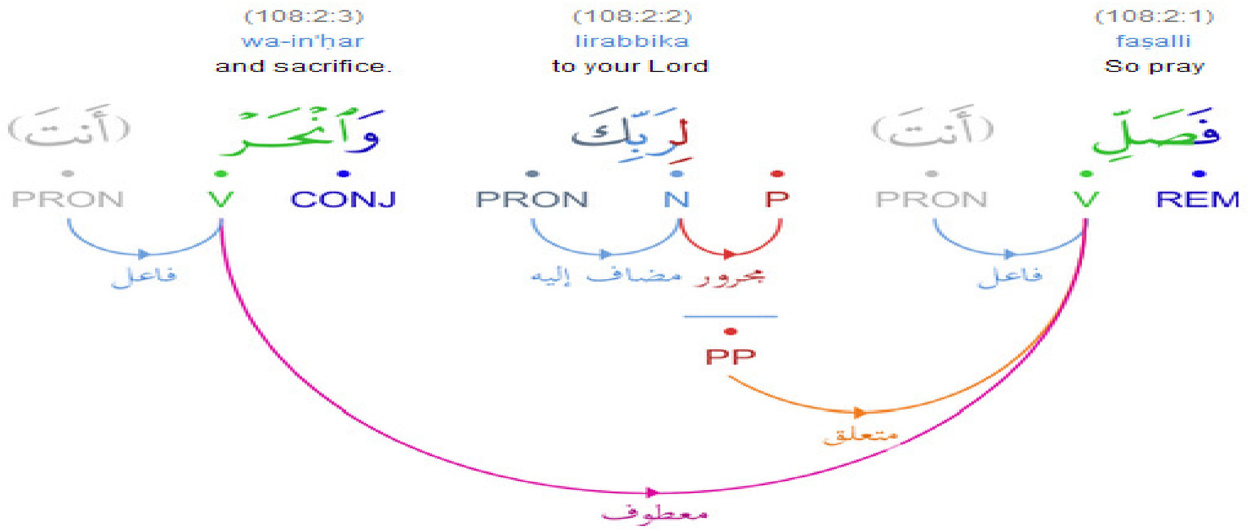

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۲)

"تو نماز پڑھئے اپنے رب کے لئے اور قربانی دیجئے"

جملة «فصلِّ» معطوفة على جملة» أَعْطَيْنَاكَ.«

فَصَلِّ : فَ: حرف عطف + صَلِّ :مادہ : ص ل ی (ناقص یائی) باب :تفعیل زمانہ:امر حاضر صیغہ: واحد مذکرالفاء استئنافية
فعل أمر ☆اصلی شکل : صَلِّ: تَفَعَّلْ سےتُصَلِّيُ سے (یائے مضموم سے قبل کسرہ ہو تو یہ ساکن ہوجاتے ہیں) تُصَلِّي امر بنانے کے بعد صَلِّ
لِرَبِّكَ : لِ: حرف جار + رَبِّكَ :مجرور/مرکب اضافی = مرکب جاری رَبِّكَ : رَبِّ: مضاف +كَ : مضاف الیہ/ضمیر متصلہ مجرورہ
/واحد مذکر حاضر= مرکب اضافی جار ومجرور والكاف ضمير متصل في محل جر بالاضافة وَانْحَرْ:مادہ : ن ح ر (فعل صحیح) باب :
(ف) زمانہ:امر حاضر صیغہ: واحد مذکر الواو عاطفة فعل أمر

یعنی ان نعمتوں اور احسانات کے شکریہ کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کے لیے نماز بھی ادا کیجیے اور قربانی بھی دیجیے۔ بدنی عبادتوں میں سے نماز بہت اہمیت رکھتی ہے اور مالی عبادتوں میں سے قربانی۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: (قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) 6-الانعام:162) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ اس پروردگار کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ گویا ان آیات میں مشرکین مکہ پر تعریض ہے جو عبادت بھی بتوں کی کرتے تھے اور قربانی بھی بتوں کے نام پر اور ان کے لیے کرتے تھے۔ مسلمانوں کو یہ کام خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا چاہیے۔ واضح رہے بعض علماء نے نحر سے مراد عید الاضحیٰ کے دن کی قربانی لی ہے۔ اور نماز سے مراد اسی دن کی نماز عید جو قربانی سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ (تیسیر القرآن)

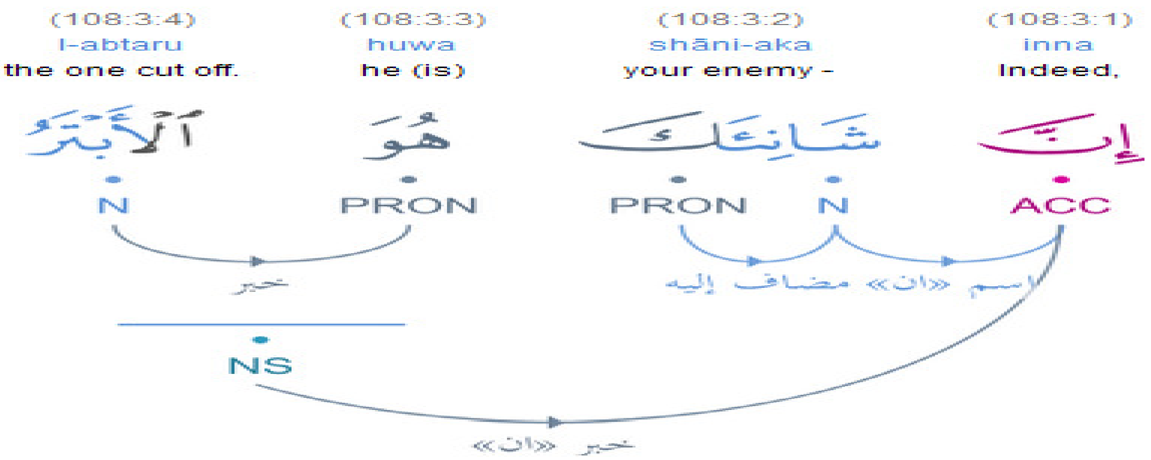

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۳)

"بے شک آپ ﷺ کا دشمن ہی بے اولاد ہو گا"

الجملة مستأنفة، «هو» ضمير فصل.

اِنَّ : حرف مشبہ بالفعل شَانِئَكَ :شَانِئُ : مضاف +كَ : مضاف الیہ= مرکب اضافی اسم منصوب والكاف ضمير متصل في محل جر بالاضافة هُوَ الْاَبْتَرُ : هُوَ : مبتدایٰ/ ضمیر منفصلہ مرفوعہ /واحد مذکر غائب +اَلْاَبْتَرُ :خبر = جملہ اسمیہ

الإعراب :
الفاء عاطفة للربط السببيّ *لربّك* متعلّق بـ *صلّ* ، *هو* ضمير فصل , أو ضمير منفصل في محلّ رفع مبتدأ خبره الأبتر ، والجملة الاسميّة خبر إنّ.
جملة : « إنّا أعطيناك ... » لا محلّ لها ابتدائيّة.
وجملة : « أعطيناك ... » في محلّ رفع خبر إنّ.
وجملة : « صلّ ... » لا محلّ لها معطوفة على استئناف مقدّر أي انتبه لهذا فصلّ , يجوز أن تكون الجملة جوابا لشرط

مقدّر.
وجملة : « انحر ... » لا محلّ لها معطوفة على جملة صلّ.
وجملة : « إنّ شانئك هو الأبتر » لا محلّ لها استئنافيّة.

الصرف :
الكوثر ، اسم علم لنهر في الجنّة ، وزنه فوعل من الكثرة ، والعرب تسمّي كلّ شي ء كثير العدد أو كثير القدر والخطر كوثر ، أو هو وصف لموصوف محذوف أي الخير الكوثر .. وفي التفسير لمعنى الكوثر ستة عشر قولا .. كالحوض والنبوّة والقرآن ... إلخ.
شانئك ، اسم فاعل من شنأ بمعنى أبغض ، وزنه فاعل.
الأبتر ، صفة مشبهة من بتر بمعنى قطع باب نصر متعدّ ، ومن باب فرح بمعى انقطع لازم ، وزنه أفعل أي منقطع العقب.

شانئ۔شَنَأ۔شناء سے مصدر شَنَآنٌ اور اسم فاعل شانیئ ہے اور اس سے مراد ایسا دشمن ہے جو بدخواہ بھی ہو اور کینہ پرور بھی۔ یعنی عداوت بھی رکھتا ہو اور بغض بھی اور یہ دشمنی کا تیسرا اور انتہائی درجہ ہے قریش مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی دشمن تھے۔ بالخصوص ان کے سردار اور معتبر لوگ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا بیٹا (جسے طیب بھی کہتے ہیں اور طاہر بھی) بھی فوت ہو گیا تو یہ سب لوگ بہت خوش ہوئے اور تالیاں بجانے لگے اور ایک دوسرے کو مبارک کے طور پر کہنے لگے۔ بتر محمد اور بتر کا لفظ کسی جانور کے دم کاٹنے سے مخصوص ہے اور معنوی لحاظ سے مقطوع یا لاولد کو کہتے ہیں یا جس کا ذکر خیر کرنے والا کوئی باقی نہ رہے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد تو رہی نہیں۔ اس کا معاملہ بس اس کی اپنی زندگی تک ہی محدود ہے۔ اس کے بعد اس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔ اسی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَبتَر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ آپ کے دشمن ہیں۔ ان دشمنوں میں سے اکثر تو جنگ بدر میں مارے گئے اور اگر ان کی نسل کہیں بچی بھی ہے تو ان کی اولاد میں کوئی بھی اپنے ایسے اسلاف کا نام لینا اور اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرنا گوارا تک نہیں کرتا۔ ان کا ذکر خیر کرنا تو بڑی دور کی بات ہے۔ سب لوگ ان پر لعنت ہی بھیجتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شان و عظمت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر کو جو بقا بخشی ہے وہ لازوال ہے۔ دنیا کے اربوں مسلمان ہر روز کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر درود بھیجتے ہیں۔ اذانوں اور نمازوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ پھر میدان محشر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو درجات عطا کیے جائیں گے اور مقامِ محمود عطا کیا جائے گا ان کے ذکر سے قرآن اور حدیث کی کتب بھری پڑی ہیں۔ (تیسیر القرآن)

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ يَامُحَمَّدُ **الۡكَوۡثَرَ**﴿۱﴾ هُوَ نَهۡرٌ فِى الۡجَنَّةِ اَوۡهُوَحَوۡضُهٗ تَرِدُ عَلَيۡهِ اُمَّتُهٗ اَوِالۡكَوۡثَرُ الۡخَيۡرُ الۡكَثِيۡرُ
مِنَ النُّبُوَّةِ وَالۡقُرۡاٰنِ وَالشَّفَاعَةِ وَنَحۡوِهَا **فَصَلِّ لِرَبِّكَ** صَلاَةَ عِيۡدِ النَّحۡرِ **وَانۡحَرۡ**﴿۲﴾ نُسُكَكَ **اِنَّ**
شَانِئَكَ اَىۡ مُبۡغِضَكَ **هُوَالۡاَبۡتَرُ**﴿۳﴾ اَلۡمُنۡقَطِعُ عَنۡ كُلِّ خَيۡرٍ اَوِالۡمُنۡقَطِعُ الۡعَقَبُ نَزَلَتۡ فِى الۡعَاصِ بۡنِ ع ۱ ۳۳
وَائِلٍ سَمَّى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اَبۡتَرَ عِنۡدَ مَوۡتِ ابۡنِهِ الۡقَاسِمِ

سورۃ کوثر مکیہ ہے یا مدنیہ اس میں تین آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ: .... بلا شبہ ہم نے آپ کو (اے محمد!) کوثر عطا فرمائی ہے (یہ جنت کی نہر یا حوض ہے جہاں امت محمد یہ لے جائی جائے گی۔ یا کوثر سے مراد نبوت، قرآن، شفاعت وغیرہ خیر کثیر ہے) سو آپ اپنے پروردگار کے لئے (بقر عید کی) نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے یقیناً آپ کا دشمن (مخالف ہی) بے نام ونشان ہے (ہر طرح کی خیر سے محروم، یا منقطع النسل ہے یہ آیت عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوئی جب اس نے آپ ﷺ کے صاحبزادہ قاسمؓ کی رحلت پر آپ کو ابتر کہا تھا)۔

تحقیق وترکیب: .... **اعطینا ایک قرأت انطینا ہے** بنوتمیم اور اہل یمن کا یہ لغت ہے۔

الکوثر حوض کوثر مراد ہے یا فوعل کا وزن کثرت اور مبالغہ کے لئے ہے جیسے نفل سے نوفل کوثر کا موصوف خیر محذوف ہے اس میں علم وعمل اور دونوں جہان کی ہر قسم کی بھلائی داخل ہے بعض نے آپ کی اولاد اور پیرو کار اور علماء امت اور قرآن کریم کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

صحاح میں کوثر کی دونوں تفسیریں آئی ہیں حوض کوثر اور خیر کے معنی ہیں اور ایک تفسیر کا دوسری تفسیر میں داخل ہونا بھی آیا ہے اور بعض احادیث سے اس نہر کا جنت میں ہونا اور بعض سے میدان حشر میں ہونا معلوم ہوتا ہے تطبیق کی صورت یہ ہے اصل نہر جنت میں اور اس کی شاخ محشر میں ہوگی۔

وانحر اونٹ عرب کے نزدیک بہترین مال سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے ذبح کے لئے لفظ **نحر** خاص استعمال کیا گیا

مراد مطلقاً قربانی ہے خواہ اونٹ کی قربانی ہو یا گائے بکری کا ذبیحہ، نماز اور قربانی دونوں کو جمع کرنے میں بدنی، مالی، عبادات کی طرف اشارہ ہے اور نماز کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ منافقین جیسی نماز نہیں ہونی چاہیئے جو غفلت وریا کاری پر مشتمل ہوتی ہے اور قربانی کرنے میں اشارہ ہے کہ منافقین جیسا بخل نہیں ہونا چاہیئے کہ زکوٰۃ ومیراث سے سب سے محروم رہتے ہیں بلکہ آپ غریبوں کے لئے خوراک بہم پہنچایئے اس طرح اس سورت کا مضمون پہلی سورت کے مقابل ہو جاتا ہے لیکن مفسرؒ نے نماز سے نماز عید قربانی اور نحر سے عید کی قربانی مراد لیتے ہیں۔

ان شانئک شانی سے ماخوذ ہے جس کے معنی بغض وعداوت کے ہیں جس کے نتیجہ میں بدسلوکی کی جائے۔ **ولا یجرمنکم شنان قوم**۔

ھوالابتر۔ ابتر کے معنی دم بریدہ کے ہیں مراد ایسا شخص ہے جس کی نسل نہ چلے اور گمنام ہو جائے یہ استعارہ کیا گیا ہے بتر قطع کرنے اور کاٹنے کے معنی ہیں یعنی الگ تھلگ آدمی۔

حدیث میں آتا ہے۔ **نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن البتیراء**۔ یعنی اکیلی ایک رکعت پڑھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس طرح دوسری حدیث۔ **کل امر ذی بال لم یبدء فیہ بحمداللّٰہ فھو ابتر**۔ یعنی بغیر اللہ کی حمد کے جو کام شروع کیا جائے وہ بے برکت اور بے نتیجہ رہتا ہے دشمن کے ابتر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نسل رہے نہ رہے پر دنیا میں اس کا ذکر خیر باقی نہ رہے گا برخلاف حضور ﷺ کے آپ کی پسری نسل نہ سہی اس سے جو مقصود ہے وہ بدرجہ اتم حاصل ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

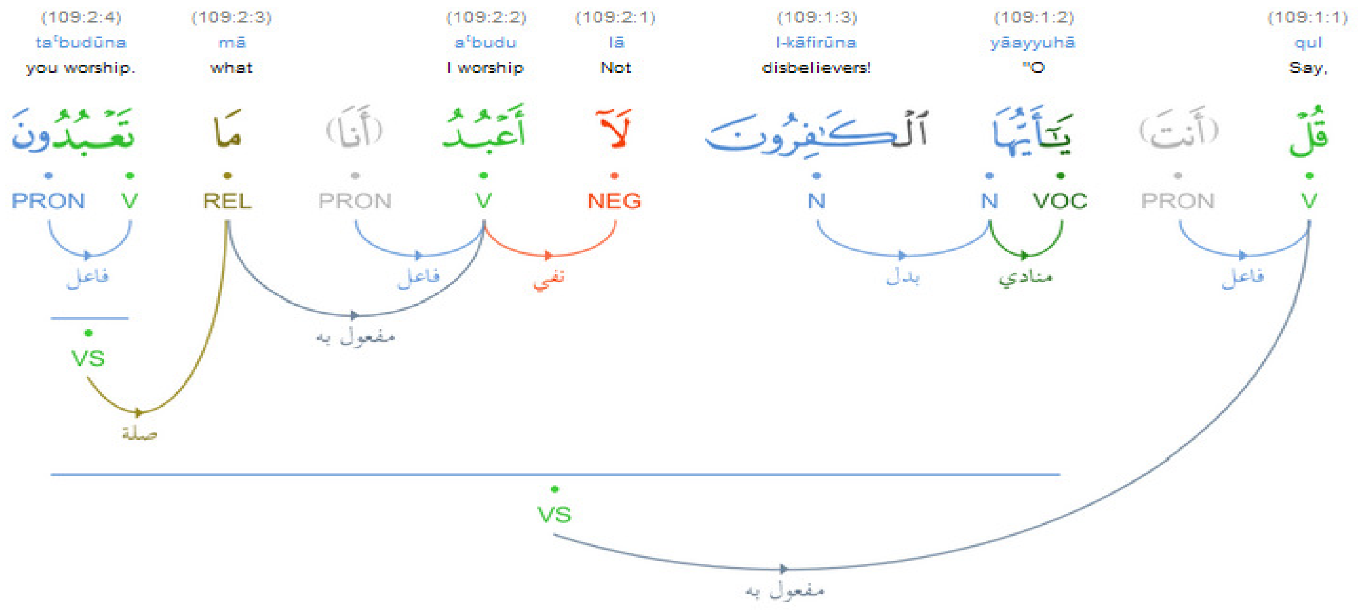

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ (۱)

"کہ دیجئے (نبی ﷺ) اے کافروں "

قُلۡ: مادہ : ق و ل(اجوف واوی) باب: (ن) زمانہ:امر حاضر صیغہ: واحدمذکر

☆تَفۡعُلُ کے وزن پرتَقۡوُلُ (اگر حرف علت متحرک ہو اور ماقبل حرف ساکن ہو تو حرف علت کی حرکت ماقبل حرف کو منتقل کرکے حرف علت کو اسی حرکت کے مطابق حرف علت میں بدل دیں گے) تَقۡوُلُ سے امر حاضر قُوۡلُ (اجوف کے عین کلمہ کے بعد حرف پر اگر علامت سکون ہو خواہ ساکن ہونے کی وجہ سے یا مجزوم ہونے کی وجہ سے تو دونوں صورتوں میں عین کلمہ کا اصلی یا تبدیل شدہ حرف علت گر جاتا ہے) قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ:يٰۤاَيُّهَا:حرف ندا + اَلۡكٰفِرُوۡنَ :منادیٰ/ اسم الفاعل اَلۡكٰفِرُوۡنَ : مادہ : ک ف ر(فعل صحیح) باب:مجرد

حالت:مضارع معروف صیغہ: جمع مذکر »الكافرون« عطف بيان.

لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ (۲)

"میں عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو"

لَآ : لَا: لائے نافیہ اَعۡبُدُ : مادہ : ع ب د(فعل صحیح) باب: (ن) زمانہ:مضارع معروف صیغہ: واحدمتکلم

مَا : موصولہ تَعۡبُدُوۡنَ:مادہ : ع ب د(فعل صحیح) باب: (ن) زمانہ:مضارع معروف صیغہ: جمع مذکر حاضر

فعل مضارِع والواو ضمير متصل في محل رفع فاعل

الجملة جواب النداء مستأنفة.

* صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی دو رکعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں (قل یٰآیھا الکٰفرون) اور سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ رات کو سوتے وقت، یہ سورت پڑھ کر سوؤ گے تو شرک سے بری قرار پاؤ گے۔ بعض روایت میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہ بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر) (احسن البیان)

الکٰفرون میں الف لام جنس کے لیے ہے لیکن بطور خاص صرف ان کافروں سے خطاب ہے جن کی بابت اللہ کو علم تھا کہ ان کا خاتمہ کفر و شرک پر ہو گا۔ کیونکہ اس سورت کے نزول کے بعد کئی مشرک مسلمان ہوئے اور انہوں نے اللہ کی عبادت کی (فتح القدیر) (احسن البیان)

اس سورہ مبارکہ میں مشرکین کے عمل سے بیزاری کا اعلان ہے اور اللہ کی عبادت کے اخلاص کا حکم ہے گو یہاں خطاب مکہ کے کفار قریش سے ہے لیکن دراصل روئے زمین کے تمام کافر مراد ہیں اس کی شان نزول یہ ہے کہ ان کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم بھی اللہ کی عبادت کریں گے اس پر یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ ان کے دین سے اپنی پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں کہ میں تمہارے ان بتوں کو اور جن جن کو تم اللہ کا شریک مان رہے ہو ہرگز نہ پوجوں گا گو تم بھی میرے معبود برحق اللہ وحدہ لا شریک لہ کو نہ پوجو پس ما یہاں پر معنی میں من کے ہے پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ میں تم جیسی عبادت نہ کروں گا تمہارے مذہب پر میں کاربند نہیں ہو سکتا نہ میں تمہارے پیچھے لگ سکتا ہوں بلکہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا اور وہ بھی اس طریقے پر جو اسے پسند ہو اور جیسے وہ چاہے اسی لیے فرمایا کہ نہ تم میرے رب کے احکام کے آگے سر جھکاؤ گے نہ اس کی عبادت اس کے فرمان کے مطابق بجالاؤ گے بلکہ تم نے تو اپنی طرف سے طریقے مقرر کر لیے ہیں جیسے اور جگہ ہے ان یتبعون الا الظن الخ یہ لوگ صرف وہم و گمان اور خواہش نفسانی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی۔۔۔۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے تمہارے لیے متہارا دین ہے یعنی کفر اور میرے لیے میرا دن ہے یعنی اسلام یہ لفظ اصل میں دینی تھا لیکن چونکہ اور آیتوں کا وقف نون پر ہے اس لیے اس میں بھی "یا" کو حذف کر دیا جیسے فھو ایھدین میں اور یسقین میں

بعض مفسرین نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ میں اب تو تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا نہیں اور آگے کے لیے بھی تمہیں ناامید کر دیتا ہوں کہ عمر بھر میں کبھی بھی یہ کفر مجھ سے نہ ہو سکے گا اسی طرح نہ تم اب میرے اللہ کو پوجتے ہو نہ آئندہ اس کی عبادت کرو گے اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کا ایمان نہ لانا اللہ کو معلوم تھا جیسے قرآن میں اور جگہ ہے ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا و کفرا یعنی تیری طرف جو اترتا ہے اس سے ان میں سے اکثر تو سرکشی اور کفر میں بڑھ جاتے ہیں

ابن جریر نے بعض عربی دان حضرات سے نقل کیا ہے کہ وہ مرتبہ اس جملے کا لانا صرف تاکید کے لیے ہے جیسے فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا میں اور جیسے لترون الجحیم ثم لترونھا عین الیقین پس ان دونوں جملوں کو دو مرتبہ لانے کی حکمت میں یہ تین قول ہوئے ایک تو یہ کہ پہلے جملے سے مراد معبود دوسرے سے مراد طریق عبادت دوسرے یہ کہ پہلے جملے سے مراد حال دوسرے سے مراد استقبال یعنی آئندہ تیسرے یہ کہ پہلے جملے کی تاکید دوسرے جملے سے ہے

لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں ایک چوتھی توجیہ بھی ہے جسے حضرت امام ابن تیمیہ اپنی بعض تصنیفات میں قوت دیتے ہیں وہ یہ کہ پہلے تو جملہ فعلیہ ہے اور دوبارہ جملہ اسمیہ ہے تو مراد یہ ہوئی کہ نہ تو میں غیر اللہ کی عبادت کرتا ہوں نہ مجھ سے کبھی بھی کوئی امید رکھ سکتا ہے یعنی واقعہ کی بھی نفی ہے اور شرعی طور پر ممکن ہونے کا بھی انکار ہے یہ قول بھی ہت اچھا ہے واللہ اعلم

حضرت امام ابو عبداللہ شافعی کر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی ملت ہے اس لیے یہود نصرانی کا اور نصرانی یہود کا وارث ہو سکتا ہے جبکہ ان دونوں میں سنب یا سبب ورثے کا پایا جائے اس لیے کہ اسلام کے سوا کفر کی جتنی راہیں ہیں وہ سب باطل ہونے میں ایک ہی ہیں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کا مذہب اس کے برخلاف ہے کہ نہ یہودی نصرانی کا وارث ہو سکتا ہے نہ نصرانی یہود کا کیونکہ حدیث ہے دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ (ابن کثیر)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے مکہ میں کچھ لوگ مسلمان ہوگئے تو کفار مکہ کو ابتدائً اسلام اور کفر میں سمجھوتے کی سوجھی اور اس کے لیے کئی راہیں اختیار کی گئیں۔ کبھی لالچ کا راستہ اور کبھی دھمکی اور دھونس کا راستہ۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ کفار نے یہاں تک پیش کش کر دی کہ آپ چاہو تو ہم آپ کے قدموں میں مال و دولت کے انبار لگا دیتے ہیں۔ حکومت چاہو تو وہ بھی حاضر ہے۔ کسی مالدار اور حسین لڑکی سے شادی چاہتے ہو تو وہ بھی حاضر ہے مگر ہمارے معبودوں کی توہین نہ کیا کرو۔ منجملہ ایسی تدابیر کے ایک تدبیر یا تجویز یہ بھی تھی کہ کافروں نے آپ سے کہا کہ ایک سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معبود کی عبادت کیا کریں گے بشرطیکہ اگلے سال تم

ہمارے معبودوں کی عبادت کرو۔ کفار کی یہ تدبیر کسی رواداری کی بنا پر نہیں تھی بلکہ ایک انتہائی خطرناک چال تھی۔ جس سے وہ دھوکا دے کر پیغمبر اسلام کو ان کے قدموں سے اکھیڑنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی معبود برحق بلکہ سب سے بڑا معبود تسلیم کرتے تھے۔ ان کا جرم تو صرف یہ تھا کہ وہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس لیے اس شرط سے نہ ان کے عقیدہ میں کچھ فرق آتا تھا اور نہ ہی طرز زندگی میں، جبکہ اللہ کے رسول کو وہ شرک کی نجاست میں مبتلا کرنا چاہتے تھے جسے مٹانے کے لیے ہی آپ کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اس میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ باطل کبھی اکیلا چل نہیں سکتا۔ جب تک اس میں کچھ نہ کچھ حق کی آمیزش نہ کی جائے۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ اکیلا چل نہیں سکتا جب تک اس میں سچ کی آمیزش نہ ہو اور یہی ان کافروں کا مذہب تھا۔ جبکہ حق باطل کی ادنیٰ سی آمیزش بھی گوارا نہیں کرتا۔ اس لیے کہ حق میں باطل کی ادنیٰ سی آمیزش سے حق باطل بن جاتا ہے۔ جیسے ایک من دودھ میں اگر ایک پاؤ بھر پیشاب ملا دیا جائے تو سارے کا سارا نجس، پلید اور ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔ اسی مضمون کو کسی شاعر نے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

باطل دوئی پرست ہے، حق لاشریک ہے شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

کافروں کی اسی سمجھوتے کی تجویز کا جواب اس سورت میں دیا گیا ہے۔ (تیسیر القرآن)

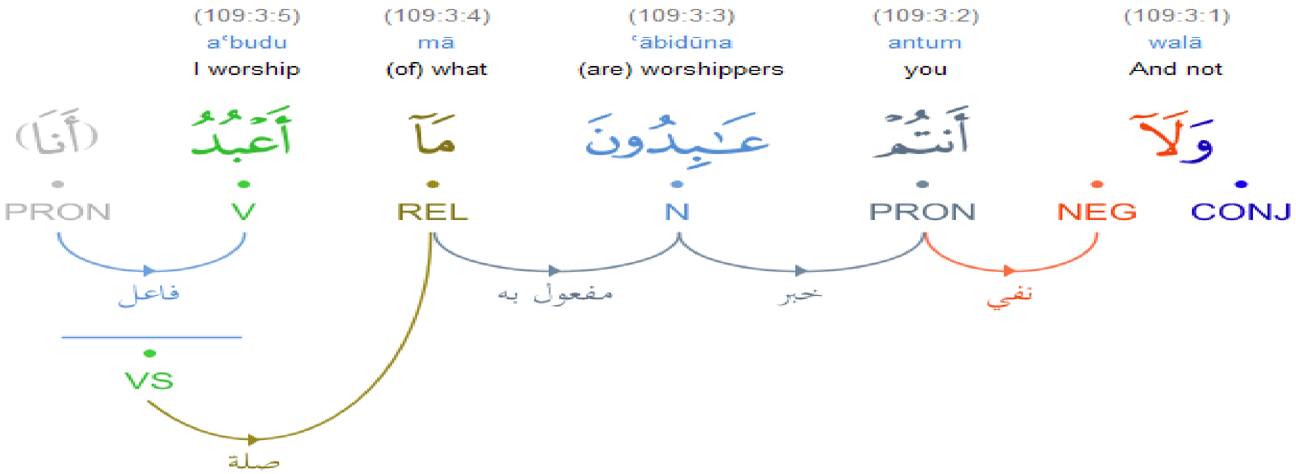

وَلَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ﴿۳﴾

وَ : استیناف لَآ : لائے نفی

اَنۡتُمۡ : ضمیر مرفوعہ منفصلہ / جمع مذکر حاضر/ مبتداء + عٰبِدُوۡنَ

عٰبِدُوۡنَ : اسم الفاعل (عَابِدٌ کی جمع عَابِدُوۡنَ) ثلاثی مجرد: مادہ : ع ب د (فعل صحیح) صیغہ: جمع مذکر حالت: رفع

مَا : موصولہ اَعۡبُدُ : مادہ : ع ب د (فعل صحیح) باب: (ن) زمانہ: مضارع معروف صیغہ: واحد متکلم

"اور نہ تم اُس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں "

جملة «ولا أنتم عابدون» معطوفة على جواب النداء، «ما» اسم موصول مفعول به لـ«عابدون».

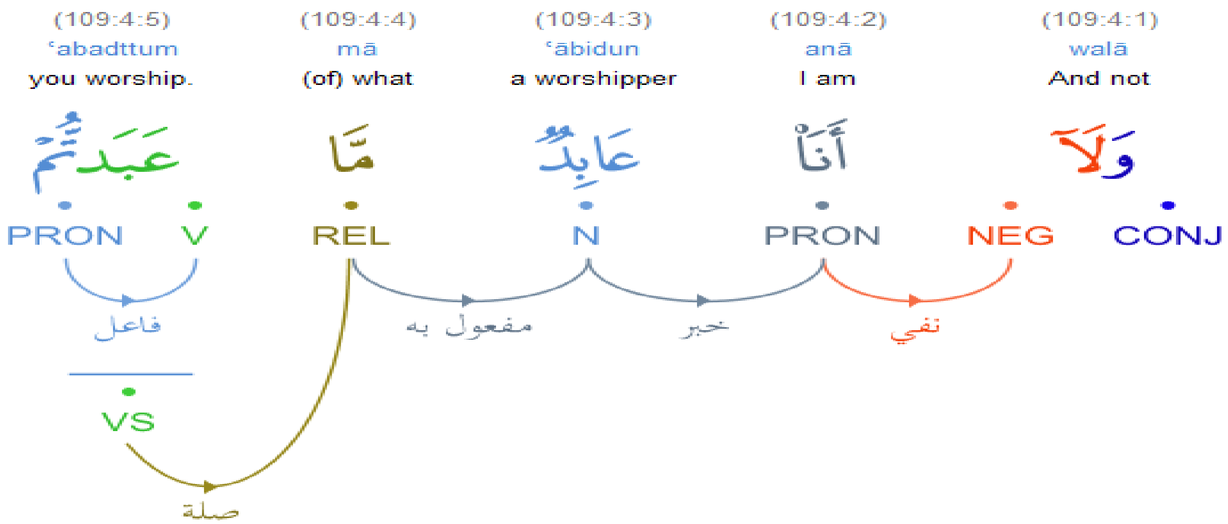

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ (۴)

"اور نہ میں عبادت کرتا ہوں جس کی تم نے عبادت کی "

وَ : استیناف   لَآ : لائے نفی   اَنَا عَابِدٌ:اَنَا : ضمیر مرفوعہ منفصلہ/واحد متکلم/مبتداء + عَابِدٌ: خبر/اسم الفاعل=جملہ اسمیہ

عَابِدٌ :اسم الفاعل   مادہ :ع ب د (فعل صحیح)   باب: ثلاثی مجرد   حالت :رفع   صیغہ:جمع مذکر

مَا : موصولہ   عَبَدْتُّمْ:مادہ : ع ب د(فعل صحیح)   باب: (ن)   زمانہ:ماضی معروف   صیغہ: جمع مذکر حاضر

»ما« مفعول به لـ»عابد.«

اوپر کا اعلان جیسا کہ واضح ہوا مستقبل سے ہے۔اب یہ ماضی سے متعلق بھی آپ نے اپنا موقف واضح فرمادیا کہ میں ماضی میں بھی کبھی ان معبودوں کا پرستار نہیں رہا ہوں جن کی تم نے پرستش کی۔ (الکتاب)

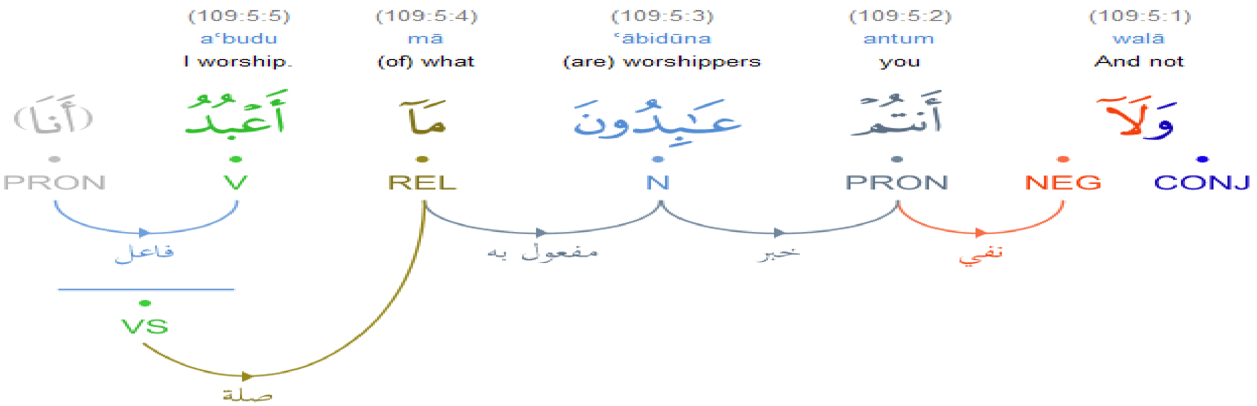

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (۵)

"اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں "

وَ : استیناف   لَآ: لائے نفی   اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ : اَنْتُمْ : ضمیر مرفوعہ منفصلہ/جمع مذکر حاضر/مبتداء + عٰبِدُوْنَ: خبر/اسم الفاعل=جملہ اسمیہ

عٰبِدُوْنَ :اسم الفاعل(عَابِدٌ کی جمع عَابِدُوْنَ) ثلاثی مجرد: مادہ :ع ب د (فعل صحیح) صیغہ:جمع مذکر حالت :رفع

مَا : موصولہ اَعْبُدُ : مادہ : ع ب د(فعل صحیح) باب: (ن) زمانہ:مضارع معروف صیغہ: واحد متکلم

بعض نے پہلی آیت کو حال کے اور دوسری کو استقبال کے مفہوم میں لیا ہے، لیکن امام شوکانی نے کہا ہے کہ ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ تاکید کے لیے تکرار، عربی زبان کا عام اسلوب ہے، جسے قرآن کریم میں کئی جگہ اختیار کیا گیا ہے۔ جیسے سورہ رحمٰن، سورہ مرسلات میں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی تاکید کے لیے یہ جملہ دہرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کبھی ممکن نہیں کہ میں توحید کا راستہ چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کرلوں، جیسا کہ تم چاہتے ہو۔ اور اگر اللہ نے تمہاری قسمت میں ہدایت نہیں لکھی ہے، تو تم بھی اس توحید اور عبادت الٰہی سے محروم ہی رہو گے۔ یہ بات اس وقت فرمائی گئی جب کفار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معبود کی اور ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔ (احسن البیان)

یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد نہیں قرار دیا جاسکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیئے جاسکتے نہ اب نہ آئندہ، اس تقریر کے موافق آیتوں میں تکرار نہیں رہی (تنبیہ) بعض علماء نے یہاں تکرار کو تاکید پر حمل کیا ہے اور بعض نے پہلے دو جملوں میں حال و استقبال کی نفی، اور اخیر کے دو جملوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے۔ کما صرح بہ الزمخشری اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے۔ کما یظھر منا لترجمۃ۔ لیکن بعض محققین نے پہلے دو جملوں میں "ما" موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں "ما" کو مصدر یہ لے کر یوں تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں۔ تم بتوں کو پوجتے ہو، وہ میرے معبود نہیں، میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان وصفت میں کوئی شریک نہ ہو سکے، ایسا خدا تمہارا معبود نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تم جس طرح عبادت کرتے ہو، مثلاً ننگے ہو کر کعبہ کے گرد ناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے، میں اس طرح کی عبادت کرنے والا نہیں۔ اور میں جس شان سے اللہ کی عبادت بجالاتا ہوں تم کو اس کی توفیق نہیں لہٰذا میرا اور تمہارا راستہ بالکل الگ الگ ہے اور احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ پہلے جملے کو حال واستقبال کی نفی کے لئے رکھا جائے۔ یعنی میں اب یا آیندہ تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کر سکتا جیسا کہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔ اور "ولا انا عابد ما عبدتم" کا مطلب (بقول حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ) یہ لیا جائے کہ (جب میں خدا کا رسول ہوں تو) میری شان یہ نہیں اور نہ کسی وقت مجھ سے ممکن ہے (بامکان شرعی) کہ شرک کا ارتکاب کروں۔ حتیٰ کہ گزشتہ زمانہ میں نزول وحی سے پہلے بھی جب تم سب پتھروں اور درختوں کو پوج رہے تھے، میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی۔ پھر اب اللہ کی طرف سے نور وحی وبینات وہدیٰ وغیرہ آنے کے بعد کہاں ممکن ہے کہ شرکیات میں تمہارا ہمنوا ہو جاؤں۔ شاید اسی لئے یہاں "ولا انا عابد" میں جملہ اسمیہ، اور "ما عبدتم" میں صیغہء ماضی کا عنوان اختیار فرمایا۔ رہا کفار کا حال، اس کا بیان دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے فرمایا۔ "ولا انتم عابدون ما اعبد۔" یعنی تم لوگ تو اپنی سوء استعداد اور انتہائی بدبختی سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور کسی حال میں خدائے واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو۔ حتیٰ کہ عین گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا ساتھ لگائے رکھتے ہو۔ اور ایک جگہ "ما تعبدون" بصیغہ مضارع اور دوسری جگہ "ما عبدتم" بصیغہ ماضی لانے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے معبود ہر روز بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی نظر آئی یا کوئی خوبصورت سات پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کر معبود بنالیا۔ اور پہلے کو رخصت کیا۔ پھر ہر موسم کا اور ہر کام کا جدا معبود ہے، ایک سفر کا، ایک حضر کا، ایک حضر کا، کوئی روٹی دینے والا، کوئی اولاد دینے والا، وقس علیٰ ہذا حافظ شمس الدین ابن قیم رحمہ اللہ نے بدائع الفوائد میں اس سورت کے لطائف ومزایا پر بہت نفیس کلام کیا ہے جس کو معارف قرآنی کا شوق ہو۔ اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ (عثمانی)

التكرار : في الآيات الكريمات ، للتأكيد. فقوله تعالى « وَلا أَنا عابِدٌ ما عَبَدْتُّمْ » تأكيد لقوله « لا أَعْبُدُ ما تَعْبُدُونَ » وقوله « وَلا أَنْتُمْ عابِدُونَ ما أَعْبُدُ » تأكيد لقوله « وَلا أَنْتُمْ عابِدُونَ ما أَعْبُدُ » - وإن القرآن نزل بلغة العرب ومن عادتهم تكرار الكلام للتأكيد والإفهام ، فيقول المجيب : بلى بلى ، والممتنع لا لا. وعليه قوله تعالى « كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ » .

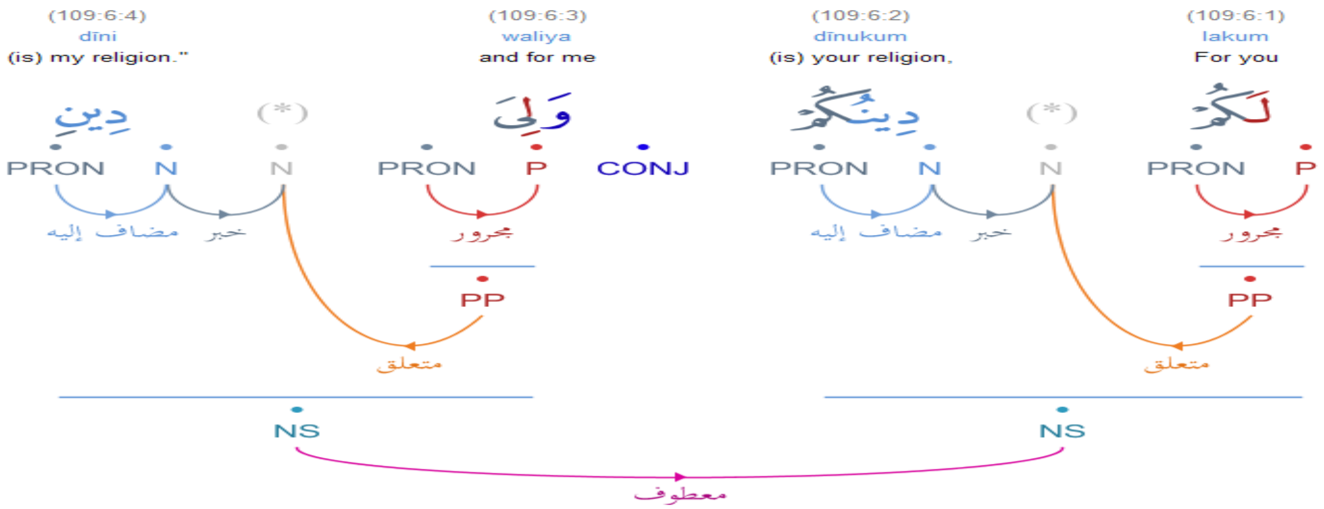

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (٦)

"تمھارے لئے تمھارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین "

الجملة مستأنفة.

لَكُمْ : لَ : حرف جار + كُمْ : مجرور / ضمير مجروره متصله / جمع مذکر حاضر = مرکب جاری

دِينُكُمْ : دِينُ : مضاف + كُمْ : مضاف الیه / ضمير مجروره متصله / جمع مذکر حاضر = مرکب اضافی

وَ : حرف عطف لِيَ دِينِ : لِ : حرف جار + یَ : مجرور / ضمیر مجرور ہ متصله / واحد متکلم + دِينِ : مجرور +یْ : مجرور / نون وقایه

الإعراب :

أيّها منادى نكرة مقصودة مبنيّ على الضمّ في محلّ نصب *الكافرون* بدل من أيّ - أو عطف بيان عليه - تبعه في الرفع لفظا *لا* نافية *ما* موصول أو نكرة موصوفة .. أو حرف مصدريّ والعائد محذوف ، أي : لا أعبد عبادتكم المبنيّة على الشك في محلّ نصب مفعول به والعائد محذوف ..

جملة : « قل ... » لا محلّ لها ابتدائيّة.

وجملة : « النداء ... » في محلّ نصب مقول القول.

وجملة : « لا أعبد ... » لا محلّ لها جواب النداء.

وجملة : « تعبدون ... » لا محلّ لها صلة الموصول *ما*.

3 - *الواو* عاطفة *لا* الثانية نافية مهملة *ما* موصول « 1 » في محلّ نصب مفعول به ..

وجملة : « لا أنتم عابدون ... » لا محلّ لها معطوفة على جملة جواب النداء.

وجملة : « أعبد ... » لا محلّ لها صلة الموصول *ما* الثاني.

4 - 6 *لا أنا ... عبدتم* مثل لا أنتم ... أعبد ، وقد تكرّرت مرة ثانية *لكم* متعلّق بخبر مقدّم للمبتدأ *دينكم* ، *لي* متعلّق بخبر مقدّم للمبتدأ *دين* ، وهو مرفوع وعلامة الرفع الضمّة المقدّرة على ما قبل الياء المحذوفة للتخفيف.

وجملة : « لا أنا عابد ... » لا محلّ لها معطوفة على جملة جواب النداء.

وجملة : « عبدتم ... » لا محلّ لها صلة الموصول *ما* الثالث.

وجملة : « لا أنتم عابدون ... » لا محلّ لها معطوفة على جملة جواب النداء.

وجملة : « أعبد ... » لا محلّ لها صلة الموصول *ما* الرابع.

وجملة : « لكم دينكم ... » لا محلّ لها تعليليّة.

وجملة : « لي دين » لا محلّ لها معطوفة على التعليليّة.

البلاغة

التكرار : في الآيات الكريمات ، للتأكيد. فقوله تعالى « وَلا أَنا عابِدٌ ما عَبَدْتُمْ » تأكيد لقوله « لا أَعْبُدُ ما تَعْبُدُونَ » وقوله «

وَلا أَنْتُمْ عابِدُونَ ما أَعْبُدُ » تأكيد لقوله « وَلا أَنْتُمْ عابِدُونَ ما أَعْبُدُ » - وإن القرآن نزل بلغة العرب ومن عادتهم تكرار الكلام للتأكيد والإفهام ، فيقول المجيب : بلى بلى ، والممتنع لا لا. وعليه قوله تعالى « كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ » .

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی تم نے ضد باندھی اب سمجھانا کیا فائدہ کرے گا جب تک اللہ فیصلہ کریں" اب ہم تم سے بلکل بیزار ہو کر اسی فیصلہ کے منتظر ہیں۔ اور جو دین قویم اللہ نے ہم کو مرحمت فرمایا ہے اس پر نہایت خوش ہیں، تم نے اپنے لئے بد بختی سے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک رہے۔ ہر ایک فریق کو اس کی راہ و روش کا نتیجہ مل رہے گا۔ (عثمانی)

سُوْرَةُ الْكَافِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ اٰيَاتٍ نَزَلَتْ لَمَّا قَالَ رَهْطٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ اٰلِهَتَنَا سَنَةً وَّنَعْبُدُ اِلٰهَكَ سَنَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (۱) **لَآ اَعْبُدُ** فِي الْحَالِ **مَا تَعْبُدُوْنَ** (۲) مِنَ الْاَصْنَامِ **وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ** فِي الْحَالِ **مَآ اَعْبُدُ** (۳) وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَحْدَهٗ **وَلَآ اَنَا عَابِدٌ** فِي الْاِسْتِقْبَالِ **مَّا عَبَدْتُّمْ** (۴) **وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ** فِي الْاِسْتِقْبَالِ **مَآ اَعْبُدُ** (۵) عَلِمَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَاِطْلَاقُ مَا عَلٰى جِهَةِ الْمُقَابَلَةِ **لَكُمْ دِيْنُكُمْ** اَلشِّرْكُ **وَلِيَ دِيْنِ** (۶) اَلْاِسْلَامُ وَهٰذَا قَبْلَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْحَرْبِ وَحَذْفُ يَاءِ الْاِضَافَةِ السَّبْعَةِ وَقْفًا وَّوَصْلًا وَّاَثْبَتَهَا يَعْقُوْبُ فِي الْحَالَيْنِ

سورۃ کافرون مکیہ ہے یا مدنیہ ہے چھ آیات ہیں اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیجئے اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ: .... کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں (فی الحال) تمہارے معبودوں (بتوں) کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم (فی الحال) میرے معبود (اللہ یگانہ) کی پرستش کرتے ہو۔ اور نہ میں (آئندہ) تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم (آئندہ) میرے معبود کی پرستش کرو گے (اللہ کو معلوم تھا کہ یہ کافر ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ کے لئے لفظ ما کا استعمال تقابل کی وجہ سے ہوا ہے) تمہارے لیے تمہارا دین (شرک) ہے اور میرے لئے میرا دین (یعنی اسلام یہ جہاد سے پہلے کا حکم ہے قرات سبعہ میں دینی کی یا وقف و وصل کی حالت میں محذوف ہے اور یعقوب دونوں حالتوں میں باقی رکھتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب: .... مکیۃ. مفسرؒ علام نے اس سورت کو مختلف فیہ کہا ہے چنانچہ ابن مسعودؓ، حسن بصریؒ، عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے اور ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ مدنی ہے ابن عباسؓ اور قتادہؓ سے دونوں قول منقول ہیں لیکن جمہور مفسرینؒ اس کو مکی مانتے ہیں اور خود سورت کا مضمون بھی اس کی شہادت دے رہا ہے

قل یا ایھا الکفرون. چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح ہی مسجد حرام میں تشریف لے جا کر تعمیل ارشاد کرتے ہوئے کفار کے سامنے یہ اعلان فرمایا۔ **لا اعبد.** مفسرؒ اس کو حال پر محمول کر رہے ہیں لیکن قاضی بیضاویؒ اس کو استقبال پر محمول کرتے ہیں کیونکہ لا مضارع کی نفی کے لئے آیا کرتا ہے جب کہ استقبال کے معنی میں ہو جیسا کہ ما اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو حال کے معنی میں ہو اور لن اس نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے جو لا کے ذریعہ سے کی جائے اور خلیلؒ یہ کہتے ہیں کہ لن کی اصل لا ہے یعنی مستقبل کی نفی مقصود ہے البتہ تفسیر کبیر میں یہ ہے کہ سورۃ کافرون میں پہلے جملے سے حال کی نفی اور دوسرے بعد کے جملہ سے استقبال کی نفی مقصود ہے کیونکہ "انا

قاتل زید" کے معنی آئندہ قتل کرنے کے ہیں اسی طرح انا عابد کے معنی آئندہ عبادت کے ہیں پس لا انا عابد کے معنی بھی آئندہ عبادت کی نفی کے ہوں گے تیسری صورت بعض حضرات نے یہ اختیار کی ہے کہ یہ دونوں جملے نفی حال واستقبال دونوں کے لیے آتے ہیں لیکن تکرار سے بچنے کے لیے کسی ایک جملہ کو حال کی نفی کے لیے اور دوسرے کو استقبال کی نفی کے لیے خاص کرلیا جائے گا اور کلام میں تکرار پر کلام سورۃ رحمٰن میں گزر چکا ہے تاہم تاکید پر بھی اس تکرار کو محمول کیا جا سکتا ہے۔

ولا انا عابد ما عبدتم ۔ اس میں زمانہ ماضی بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی زمانہ ماضی میں میں نے تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کی لیکن اس صورت میں عبارت ولا انا عابدت ما عبدتم ہونی چاہیئے تھی لیکن بعث سے پہلے چونکہ حضورؐ کے متعلق اللہ کی عبادت کی شہرت نہیں تھی جس طرح کفار کا بت پرست ہونا معروف تھا اس لیے عبادت کی روش تبدیل کردی گئی ہے تاکہ یہ فرق ظاہر ہو سکے۔

اور ما اعبد میں دونوں جگہ من کی جگہ ما استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ذات کے بجائے یہاں صفت مراد ہے گویا عبارت اس طرح ہے لا اعبد الباطل ولا تعبدون الحق دوسری توجیہ یہ ہے کہ ما تعبدون اور ما عبدتم کی مطابقت کی رعایت کرتے ہوئے دونوں جگہ ما اعبد میں بھی ما استعمال کیا گیا ہے تیسری توجیہ یہ ہے کہ چاروں جگہ ما مصدریہ ہے اور چوتھی توجیہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ما بمعنی الذی ہیں اور آخر کے دونوں ما مصدریہ ہیں بہرحال یہ قطعی مایوسی ان کفار کے بارے میں ظاہر کی گئی ہے جن کے متعلق علم الٰہی میں ایمان نہ لانا طے ہے ورنہ جو کفار بعد میں ایمان لے آئے وہ اس کے مخاطب نہیں ہیں ولی دین نافع ابن کثیر حفصؒ کے نزدیک لی فتحہ یا کے ساتھ اور باقی قرا کے نزدیک سکون یا کے ساتھ ہے اور دین قراسبعہ کے نزدیک وقف ووصل دونوں حالتوں میں یا محذوف ہے اور یعقوبؒ کے نزدیک محذوف نہیں مفسرؒ نے اس حکم کو آیات جہاد سے منسوخ مانا ہے لیکن قاضی بیضاویؒ اس متارکت پر محمول کرتے ہوئے یہ معنیٰ لیتے ہیں کہ تم اپنی حالت پر رہو گے اور میں اپنے حال پر یعنی جب تم میری حق بات کو قبول نہیں کر رہے ہو تو تمہارے باطل کو میرے قبول کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے اس میں نہ کفر کی اجازت نکل رہی ہے اور نہ جہاد کی ممانعت کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے اور نسخ خبر میں نہیں ہوا کرتا یہ مضمون تو ایسا ہی ہے جیسے لا اکراہ فی الدین فرمایا گیا ہے پس ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے تبلیغ و جہاد بھی جاری رہے اور لوگوں کو تبدیل مذہب پر مجبور نہ کیا جائے کیونکہ تبلیغ و جہاد تو ایک طرح کی سعی اور کوشش ہے اس کے لیے کامیابی ضروری نہیں۔

کلام میں تاکید اگرچہ بلاغت ہے لیکن تاسیس ابلغ ہے:.......... ولا انتم عابدون ما اعبد ۔ کچھ مفسرین بعد کی ان دونوں آیتوں کو پہلی دونوں آیتوں کی تاکید مانتے ہیں اور کسی بات پر زور دینے کے لیے تکرار اور تاکید سے کلام کیا جاتا ہے لیکن بہت مفسرین نے ان آیات کو تاکید کے بجائے تاسیس پر محمول کیا ہے والتاسیس اولیٰ من التاکید اس صورت میں دونوں جملوں میں فرق کرنے کے لیے کہنا پڑے گا کہ ایک جملہ کا حاصل تو فی الحال دونوں کے عمل میں فرق بتلانا ہے کہ دونوں کی راہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے اور دوسرے جملہ میں آئندہ کے لیے بھی دونوں راہوں کا اور ان پر چلنے والوں کا ایک دوسرے سے مختلف سمتوں میں چلنا بتلایا ہے خلاصہ یہ ہے میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد قرار نہیں دیئے جاسکتے نہ اب نہ آئندہ اب دونوں جملوں کا مفاد الگ الگ ہو گیا اور تکرار نہیں رہا۔

زمخشریؒ کی تصریح کے مطابق بعض علماء نے پہلے دونوں جملوں سے حال واستقبال کی نفی اور اخیر کے دونوں فقروں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے اسی طرح بعض محققینؒ نے پہلے دونوں جملوں میں ما کو موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں ما کو مصدریہ لے کر یہ تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود میں اشتراک ہے اور نہ طریق عبادت ایک ہے کیونکہ تم بتوں کو پوجتے ہو جو میرے معبود نہیں اور میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان اور صنعت میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا اور ایسے خدا کو تم نہیں مانتے اسی طرح تمہارا طواف کعبہ کے گرد ننگا ناچ اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں اور میرا یہ طریقہ عبادت نہیں ہے اور میں جس کیفیت سے اللہ کی عبادت کرتا ہوں اس کی تمہیں توفیق نہیں لہذا دونوں کی راہیں بھی مختلف اور دونوں کی منزلیں بھی الگ لگ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی رائے:.......... اور بقول حافظ ابن تیمیہؒ پہلے جملہ کو حال واستقبال کی نفی کے لیے اور ولا انا عابد ما عبدتم کا مطلب یہ لیا جائے کہ خلعت نبوت کے بعد اب آئندہ مجھ سے شرک کی کیا توقع ہوتی۔ نزول وحی سے پہلے بھی تم سب جب پتھروں اور درختوں کی پوجا کرتے تھے اس وقت بھی میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی اب نور نبوت کے بعد تو خیر اس کا کیا سوال کہ میں تمہارا ہمنوا بن جاؤں۔ ممکن ہے اس لیے ولا انا عابد جملہ اسمیہ اور ما عبدتم میں ماضی کا عنوان اختیار فرمایا ہو بر خلاف کفار کے کہ ان کا حال دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے بیان فرمایا یعنی ولا انتم عابدون ما اعبد جس کا حاصل یہ ہوگا کہ تم اپنی بداعتقادی اور بدبختی کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور حال میں خدائے واحد کی بلاشرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو حتی کی عین گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا لگائے رکھتے ہو۔

علمی نکتہ:.......... اور کفار کے حال میں ایک جگہ ما تعبدون اور دوسری جگہ ما عبدتم لانے میں یہ نکتہ ہوسکتا ہے کہ ان کے معبود تو آئے دن بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی دکھائی دی یا کوئی خوب صورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کہ معبود بنالیا اور پہلے کو چلتا کر دیا پھر

سفر کا معبود الگ ہے حضر کا الگ، کوئی روٹی دینے والا اور کوئی اولاد دینے والا کوئی عزت و دولت دینے والا غرض بھانت بھانت کے خدا بنا رکھے ہیں افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ. علامہ ابن قیمؒ کی بدائع الفوائد نیز اس سورت کے لطائف پر کلام کیا گیا ہے (فوائد عثمانی)
لکم دینکم یعنی جب تم نے ضد باندھ رکھی ہے تو اب سمجھانے سے کیا فائدہ تم نے اپنی بدبختی سے اپنے لیے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک، اللہ نے جو دین قیم ہمیں از راہ عنایت مرحمت فرمایا ہے اس پر ہم خوش، آخر فیصلہ اللہ ہی کرے گا اس میں کفار کو رواداری کا پیغام نہیں بلکہ اظہار بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان ہے جیسے انتہائی مایوسی میں کسی سے کہا جائے کہ تم جانو تمہارا کام جانے بس ہمارا تو سلام لو۔

ائمہ کرام کی رائے: .... حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاصؓ وغیرہ کی روایت لا یتوارث اھل ملتین شتیٰ کی رو سے امام مالک، امام اوزاعی۔ امام احمد اگرچہ اس کے قائل ہیں کہ ملتوں اور مذہبوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے مگر امام اعظم، امام شافعیؒ دونوں آیت لکم دینکم ولی دین کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ کافروں کے مذاہب باہم کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں لیکن بحیثیت مجموعی چونکہ الکفر ملۃ واحدۃ ہے اس لیے اگر کافروں کے درمیان نسب یا نکاح وغیرہ اسباب کی بناء پر وراثت کا تعلق ہو تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں چنانچہ مشہور حنفی علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں کہ ان اسباب کی بنیاد پر کفار بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں جن میں مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ بعض ایسی صورتوں میں بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں جن میں مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں بس دو ہی دین ہیں ایک دین حق، دوسرے دین باطل لکم دینکم ولی دین. حدیث لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم . سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اس سورت کا مقصد ہرگز کفار سے رواداری کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے "موسےٰ بدین خویش، عیسیٰ بدین خویش" بلکہ بنیادی نقطہ جس پر پورا زور دیا گیا ہے یہ ہے کہ دوٹوک طریقہ پر اعلان کر دیا جائے کہ جس طرح دن رات، روشنی، اندھیرا الگ الگ ہیں اسی طرح حق و باطل، اسلام و کفر دونوں ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہیں ان میں باہم مل جانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا مداہنت یا تلبیس کی کسی طرح گنجائش نہیں ہے۔ پس یہ آیت تبلیغ دین اور جہاد وغیرہ مساعی کے منافی نہیں ہیں کہ ان کو منسوخ کہنے کی نوبت پیش آئے اور نہ پیشگوئی پر محمول کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ہر قسم کی مساعی بدستور جاری رہیں گی اور ساتھ ہی ضدی لوگوں سے تو یہ کہا جائے گا کہ اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ضد کا فیصلہ تو اللہ ہی کرے گا آگے تم جانو تمہارا کام جانے "مراد ما نصیحت بود کردیم و رفتیم"۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

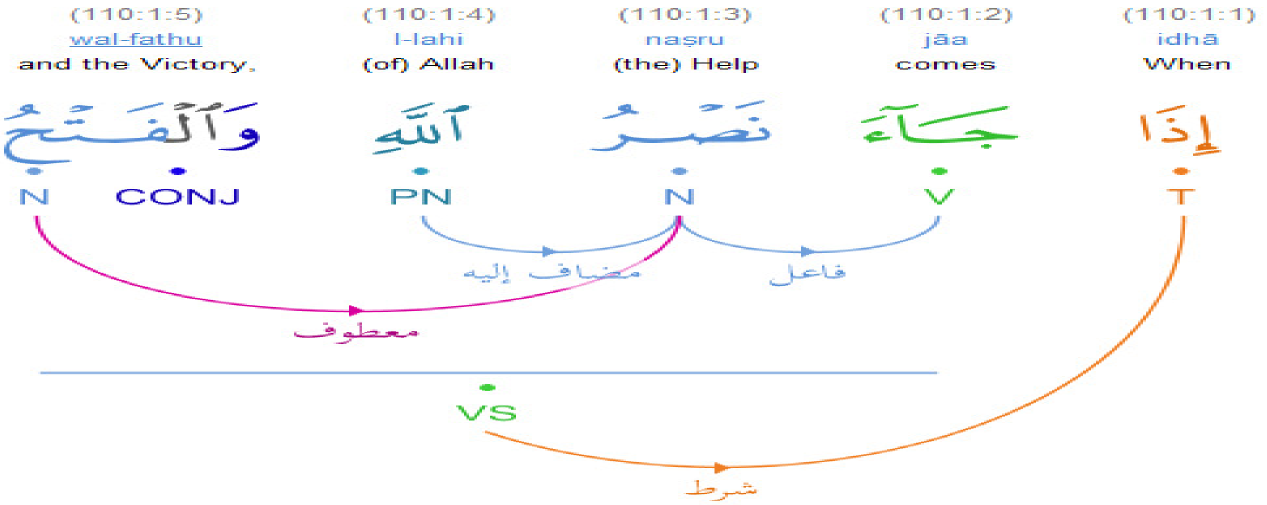

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ (۱)

"جب آ پہنچی اللہ کی مدد اور فتح"

»إذا« ظرفية شرطية متعلقة بمعنى الجواب «سبِّح.«

اِذَا : (جب ماضی میں کوئی کام بار بار ہو تو " اِذَا " آتا ہے) ظرف زمان

جَآءَ: مادہ :ج ی ء (اجوف یائی /مہموز اللام) باب: (ض) زمانہ:ماضی معروف صیغہ:واحدمذکرغائب

جَآءَ : اصلی شکل: فَعَلَ سے جَيَءَ (اگر حرفِ علت متحرک ہو اور اس سے ما قبل حرف مفتوح ہو تو حرفِ علت کو الف میں بدل دیتے ہیں) جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ : جَآءَ کا فاعل نَصۡرُ : مضاف + اَللّٰهِ : مضاف الیہ وَ : عطف اَلۡفَتۡحُ : جَآءَ کا فاعل

نزول کے اعتبار سے یہ آخری سورت ہے۔(صحیح مسلم، کتاب التفسیر) جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابہ رضی اللہ سمجھ گئے کہ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وقت آگیا ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے۔(تفسیر سورۃ النصر) (احسن البیان)

بڑی فیصلہ کن چیز یہ تھی کہ مکہ معظّمہ (جو زمین پر اللہ کا دارالسلطنت ہے) فتح ہو جائے۔اسی پر اکثر قبائلِ عرب کی نظریں لگی ہوئی تھی۔اس سے پہلے ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوتے تھے۔فتح مکہ کے بعد جوق در جوق داخل ہونے لگے۔حتیٰ کہ سارا جزیرہ عرب اسلام کا کلمہ پڑھنے لگا۔اور جو مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تھا پورا ہوا۔(عثمانی)

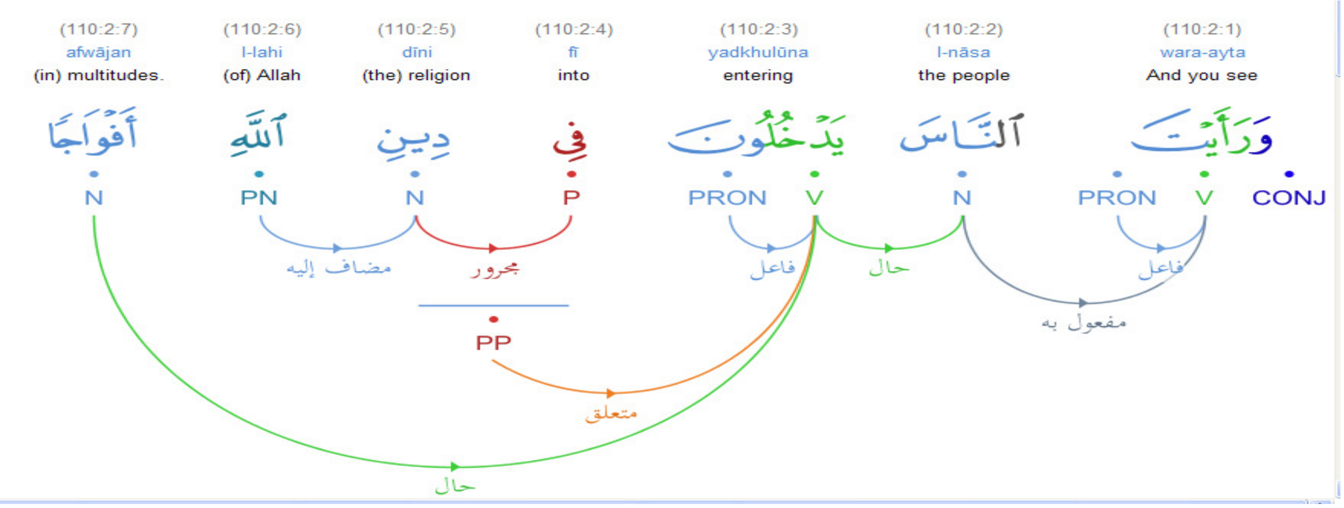

وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا (۲)

"اور آپ ﷺ دیکھتے ہیں لوگوں کو داخل ہوتے ہوئے دین میں فوج در فوج "

جملة «يدخلون» حال من الناس، و«أفواجًا» حال من الواو.

وَ : واو استیناف رَاَيۡتَ :مادہ : ر ء ی (مہموز العین/ ناقص یائی) باب: (ف) زمانہ:ماضی معروف صیغہ: واحدمذکرحاضر الواو عاطفة فعل ماض والتاء ضمير متصل في محل رفع فاعل النَّاسَ : رَاَيۡتَ کا مفعول يَدۡخُلُوۡنَ :مادہ : د خ ل (فعل صحیح) باب: (ن) زمانہ:مضارع معروف صیغہ: جمع مذکرغائب فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ : فِىۡ : حرف جار + دِيۡنِ اللّٰهِ : مجرور / مرکب اضافی = مرکب جاری دِيۡنِ اللّٰهِ : دِيۡنِ : مضاف + اَللّٰهِ :مضاف الیہ = مرکب اضافی اَفۡوَاجًا :حال

[۲] فتح مکہ اور مشرک قبائل کا جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا:۔ عرب قبائل تو پہلے ہی اس بات کے انتظار میں تھے کہ دیکھیے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ قبیلے دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ مکہ رمضان ۸ھ میں فتح ہوا تھا۔ ۹ھ میں اس قدر وفود اسلام لانے کے لیے مدینہ حاضر ہوئے کہ اس سال کا نام ہی عام الوفود پڑ گیا۔ ہر قبیلے کے چند معتبر لوگ مدینہ جاتے، اسلام کی تعلیم حاصل کرتے پھر واپس آکر اپنے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ ۹ھ میں حج کے موقع پر اعلان برات کیا گیا جس کا تفصیلی ذکر سورہ توبہ کی ابتدا میں گزر چکا ہے۔ اس اعلان کی رو سے اب مشرکین عرب کے لیے دو ہی راستے رہ گئے تھے یا تو وہ اسلام میں داخل ہو جائیں یا پھر جزیرہ عرب سے باہر نکل جائیں۔ چنانچہ مشرکین عرب نے بھی پہلی ہی بات قبول کی اور اسلام لے آئے۔ اس طرح ۱۰ھ میں سرزمین عرب کفر و شرک سے پاک ہو گئی۔ (تیسیر القرآن)

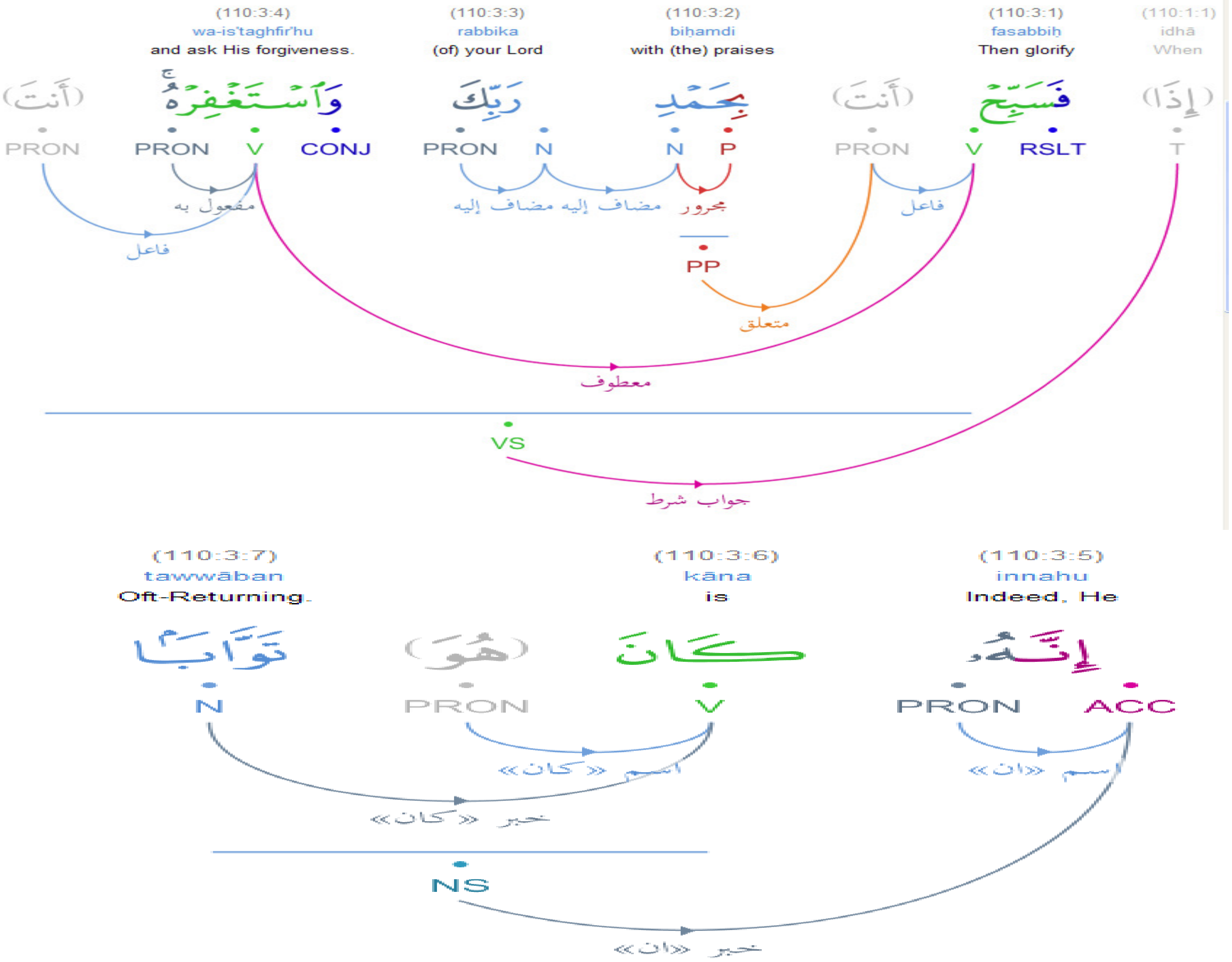

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (۳)

"تو تسبیح کیجئے اُس(اللہ) کی تعریف کے ساتھ اپنے رب کی اور اُس سے بخشش طلب کیجئے بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے"

الجار «بحمد» متعلق بحال من فاعل «سَبِّح»، وجملة «إنه كان توابا» مستأنفة.

فَسَبِّحۡ :فَ : حرف عطف + سَبِّحۡ سَبِّحۡ : مادہ:س ب ح (فعل صحیح) باب: تفعیل زمانہ:امر حاضر صیغہ: واحد مذکر

بِحَمْدِ : بِ: حرف جار + حَمْدِ : مجرور = مرکب جاری رَبِّکَ : رَبِّ : مضاف + کَ : مجرور/ضمیر مجروره متصلہ/واحد مذکر حاضر اسم مجرور والکاف ضمیر متصل في محل جر بالاضافة وَ : واو استیناف الواو عاطفة اِسْتَغْفِرْ :ماده:غ ف ر (فعل صحیح) باب:استفعال زمانہ:امر حاضر صیغہ: واحدمذکر هُ:ضمیر منصوبہ متصلہ/واحد مذکر غائب اِنَّہٗ :اِنَّ: حرف مشبہ بالفعل + ہٗ : ضمیر منصوبہ متصلہ/واحد مذکر غائب حرف نصب والهاء ضمير متصل في محل نصب اسم «ان « فعل أمر والهاء ضمير متصل في محل نصب مفعول به

كَانَ :ماده:ک و ن (اجوف واوی) باب:(ن) زمانہ:ماضی معروف صیغہ: واحدمذکر غائب تَوَّابًا :کَانَ کی خبر فَعَّالٌ کے وزن پر اسم مبالغہ

الإعراب :

في دين متعلّق بـ *يدخلون* ، *أفواجا* حال منصوبة من فاعل يدخلون *الفاء* رابطة لجواب الشرط *بحمد* متعلّق بحال من فاعل سبّح أي متلبسا بحمد ..

جملة : « جاء نصر الله » في محلّ جرّ مضاف إليه.

وجملة : « رأيت ... » في محلّ جرّ معطوفة على جملة جاء نصر ...

وجملة : « يدخلون ... » في محلّ نصب حال من الناس أو مفعول به ثان إذا كانت الرؤية قلبيّة.

وجملة : « سبّح ... » لا محلّ لها جواب شرط غير جازم.

وجملة : « استغفره ... » لا محلّ لها معطوفة على جملة سبّح.

وجملة : « إنّه كان توابا ... » لا محلّ لها تعليليّة.

وجملة : « كان توّابا » في محلّ رفع خبر إنّ.

البلاغة

الاستعارة المكنية : في قوله تعالى « إِذا جاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ » .

حيث شبّه المقدور وهو النصر والفتح ، بكائن حيّ ، يمشي متوجها من الأزل إلى وقته المحتوم ، فشبّه الحصول بالمجي ء ، وحذف المشبه به ، وأخذ شيئا من خصائصه وهو المجي ء.

یعنی سمجھ لو کہ مقصود بعثت کا اور دنیا میں رہنے کا (جو تکمیل دین تھا) پورا ہو چکا۔ اب سفرِ آخرت قریب ہے لہٰذا کثرت سے اپنے رب کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس میں لگ جاؤ اور فتوحات اور کامیابیوں پر اس کا شکر ادا کرو۔ (الکتاب)

اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے پروردگار کے اتنے بڑے احسانات کے شکریہ کے طور پر اب پہلے سے زیادہ اللہ کی تسبیح و تحمید کیا کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر کی کاوشوں میں جو کوئی لغزش رہ گئی ہو تو اس کے لیے اللہ سے استغفار کریں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورت نصر نازل ہوئی تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ میں اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ "سُبْحٰنَکَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ" (بخاری، کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ النصر) (تیسیر القرآن)

سورة النصر مدنية ثلاث آيات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْدَائِهٖ وَالْفَتْحُ ﴿١﴾ فَتْحُ مَكَّةَ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَيِ الْاِسْلَامِ اَفْوَاجًا ﴿٢﴾ جَمَاعَاتٍ بَعْدَ مَا كَانَ يَدْخُلُ فِيْهِ وَاحِدٌ وَاحِدٌ وَذٰلِكَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَ الْعَرَبُ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ طَائِعِيْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اَيْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿٣﴾ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ نُزُوْلِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ وَعُلِمَ بِهَا اَنَّهٗ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهٗ وَكَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ سَنَةَ ثَمَانٍ وَتُوُفِّيَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ سَنَةَ عَشْرٍ

سورۃ نصر مدنیہ ہے اس میں تین آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ: .... جب اللہ کی طرف سے مدد (دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی) اور فتح (مکہ) آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین (اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں (فوج در فوج درآنحالیکہ پہلے ایک ایک آدمی اسلام میں داخل ہوتا تھا فتح مکہ کے بعد عرب کے اطراف سے لوگ برغبت مسلمان ہو گئے) تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے (جو حمد پر مشتمل ہو) اور اس سے مغفرت کی دعا مانگئے۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کے نزول کے بعد بکثرت **سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ** پڑھتے تھے اور اس سے یہ سمجھ گئے تھے کہ آپ کی رحلت کا وقت قریب آ پہنچا ہے چنانچہ فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا اور آپ کی وفات ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی)

تحقیق وترکیب: .... اذا جاء۔ مجئی ایسی چیز کو کہتے ہیں جو موجود مگر غائب ہو کر سامنے آ جائے مراد حصول وتحقق ہے اس میں استعارہ تبعیہ ہے کیونکہ وقت آنے پر مدد حاصل ہونے کو **مجئی** سے تشبیہ دی گئی ہے پھر اس سے جاء بمعنی **حصل** مشتق کیا گیا ہے اور اس کو مجئی سے تعبیر کیا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ امور ازل سے بروقت ظاہر ہونے کے لیے متوجہ ہے اور گویا مقدرات الٰہی موجودات ہیں جو پہلے غائب تھے پھر سامنے آ گئے اور اذا ظرف زماں مستقبل کے لیے ہے جو منصوب ہے سبح کے ذریعہ جو اذا کا جواب ہے اور شرط سے پہلے فاعل میں رکاوٹ نہیں ہوگا اگر یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ ظاہر ہے تب تو اذا اپنی اصل پر ہے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ خیبر سے لوٹتے ہوئے اس کا نزول ہوا ہے اور خیبر فتح مکہ سے پہلے ہے اور قتادہؒ کا قول ہے کہ حضور اس سورت کے بعد دو سال زندہ رہے پس اگر ان دو سالوں کو تخمین پر محمول نہ کیا جائے تو اس کا فتح مکہ سے قبل نازل ہونا ثابت ہوتا ہے پس اس کے دو سال بعد زندہ رہے۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا ہو اور جن روایات میں اس کا نزول فتح

مکہ کے بعد ہوا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے نازل شدہ حکم کو مکرر یاد دلایا گیا لیکن اگر فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تو اذا بمعنی اذ ہے یا یوں کہا جائے کہ کلمہ اذا محض نصر و فتح کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ مجموعہ کے لحاظ سے ہے جس کا ایک جز ویدخلون بھی ہے اور اس سے پہلے جس کا نزول ہو چکا ہے اگر اس کا نزول اس جز ویدخلون کے بعد بھی ہوا ہو جیسا کہ ایک روایت کے مطابق اس کا نزول حجۃ الوداع میں آیا ہے تو اذا کو بمعنی ما لے لیا جائے گا یعنی چونکہ یہ امور ہو چکے ہیں اس لیے آپ کو یہ حکم کیا جاتا ہے۔

بہر صورت اذا کا متعلق محذوف ہے ای اکمل اللہ الامر و اتم النعمة علی العباد۔

والفتح فتح مکہ مراد ہے لیکن نصرت سے وہ ملکوتی امداد اور قدسی تائید بھی ہو سکتی ہے جو اسماء وصفات کی تجلیات کے ذریعہ سے ہو اور فتح سے مطلق فتح مراد ہو یعنی حضرت الوہیت واحدیت کے باب کا فتح ہونا اور کشف ذاتی کا حاصل ہونا اور افعال نفس کا افعال حق میں فنا ہو جانا پس مقام قلب میں جب نفسانی حجاب اٹھ جاتے ہیں تو اس سے یقیناً ملکوتی افعال فتح ہو جاتے ہیں اور یہ فتح اول کہلاتی ہے۔

دوسری فتح جبروت صفات کہلاتی ہے جو صفات نفس کو صفات حق میں فنا کر دینے سے حجاب خیال اٹھ کر مقام روح میں حاصل ہوتی ہے۔

اور تیسری فتح لاہوت ذاتی کی مقام سر میں حاصل ہوتی ہے جو ذات نفس کو ذات حق میں فنا کر کے اور وہم کا پردہ چاک کر کے مقام سر نصیب ہوتا ہے اور جس کو یہ فتح و نصرت باطنی حاصل ہو جاتی ہے اسے فتح و نصرت ظاہری بھی میسر ہو جاتی ہے کیونکہ نصر و فتح دونوں باب رحمت سے ہیں پس نہایت النہایات پر پہنچنے کے بعد ناراضی کا کوئی اثر نہیں رہ سکتا۔

ورایت الناس اگر رویت بصریہ ہے تب تو یدخلون حال ہے اور رایت بمعنی علمت لینے کی صورت میں یدخلون مفعول ثانی ہے اور افواجا کا مصداق اہل مکہ، اہل طائف اور قبیلہ یمن و ہوازن اور قبائل عرب مصداق ہیں۔

فسبح بحمد ربک یعنی تعجب کیجئے کہ اللہ نے ایسا کام جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا اس کو بسہولت حاصل کرا دیا اور بحمد ربک ای حامداله تعالی علیه اوفصل له حامدا علی نعمه او فنزهه عما کانت الظلمة یقولون حامدا له علی ان صدق وعده اوفا ثن علی الله بصفات الجلال حامدا علی صفات الاکرام۔

واستغفره یعنی کسر نفسی کرتے ہوئے اور اپنے عمل کو حقیر سمجھتے ہوئے اور غیر اللہ کی طرف التفات ہو جانے کی وجہ سے قلب پر جو تکدر رہا ہے اس کے ازالہ اور تلافی کے لیے استغفار کیجئے چنانچہ حضورؐ روزانہ ایک تسبیح استغفار کی بھی پڑھتے تھے یا امت کے لیے استغفار کا بھی حکم ہے اور تسبیح و تحمید اور استغفار کی ترتیب میں خالق سے مخلوق کی طرف نزول کی طرف اشارہ ہے جس کو سیر من اللہ کہا جاتا ہے جو صوفیا کے سیر الی اللہ سے عالی مرتبہ ہے سیر الی اللہ کو عروج سے تعبیر کرتے ہیں جب سالک مقام الوہیت کی سیر کرتا ہے اور سیر من اللہ نزول کہلاتا ہے جس میں سالک مقام عبدیت میں آ جاتا ہے جو سب سے اونچا مقام ہے صوفیا کا مقولہ ما رایت شیئا الا و رایت اللہ قبله اسی مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔

انه کان توابا یعنی ازل ہی میں استغفار کرنے والوں کی بخشش فرما چکا ہے۔

۱: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ پہنچے)

نحو: اذا یہ فسبح کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور یہ مستقبل میں پیش آئندہ واقعہ کی اطلاع وقوع سے قبل دے دی گئی ہے۔ یہ علامات نبوت میں سے ہے۔ روایت میں ہے یہ حجۃ الوداع میں ایام تشریق کے دنوں میں نازل ہوئی۔

نحو: رایت کوابصرت یا عرفت کے معنی میں مانیں تو یدخلون یہ الناس سے حال ہے۔نمبر۲۔علمت کے معنی میں مانیں تو پھر یہ
اس کا دوسرا مفعول ہے۔اَفْوَاجًا یہ یدخلون کے فاعل سے حال ہے۔اور اذا کا جواب فسبح ہے۔تقدیر عبارت یہ ہے: اذا جاء
نصر الله اياك على من ناواك وفتح البلاد ورأيت اهل اليمن يدخلون في ملة الاسلام جماعات كثيرة بعد
ماكانوا يدخلون فيه واحدًا واحدًا واثنين اثنين۔ جب اللہ تعالٰی کی مدد آئے تو بچا اپنے کو ان لوگوں سے جو دشمنی کرنے
والے ہیں اور شہروں کو اللہ تعالٰی فتح کر دے تو تم اہل یمن کو ملت اسلام میں بڑی بڑی جماعتوں میں داخل ہوتا دیکھو گے جبکہ وہ اس
سے پہلے ایک ایک دو دو کر کے داخل ہوتے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

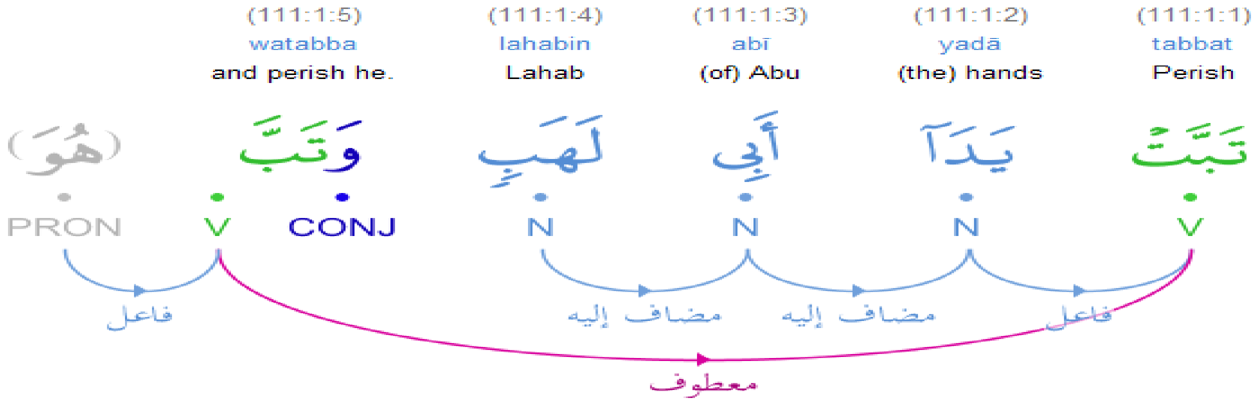

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ (۱)

"ٹوٹ جائیں ہاتھ ابو لہب کے"

تَبَّتْ :مادہ : ت ب ب (مضاعف) باب: (ن) زمانہ:ماضی معروف صیغہ: واحد مونث غائب

یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ:یَدَا : مضاف + اَبِیْ : مضاف الیہ / مضاف + لَہَبٍ : مضاف الیہ = پیچیدہ مرکب اضافی

وَ : واو عطف تَبَّ :مادہ : ت ب ب (مضاعف) باب: (ن) زمانہ:ماضی معروف صیغہ: واحد مذکر غائب

اسے سورۃ المسد بھی کہتے ہیں۔(احسن البیان)

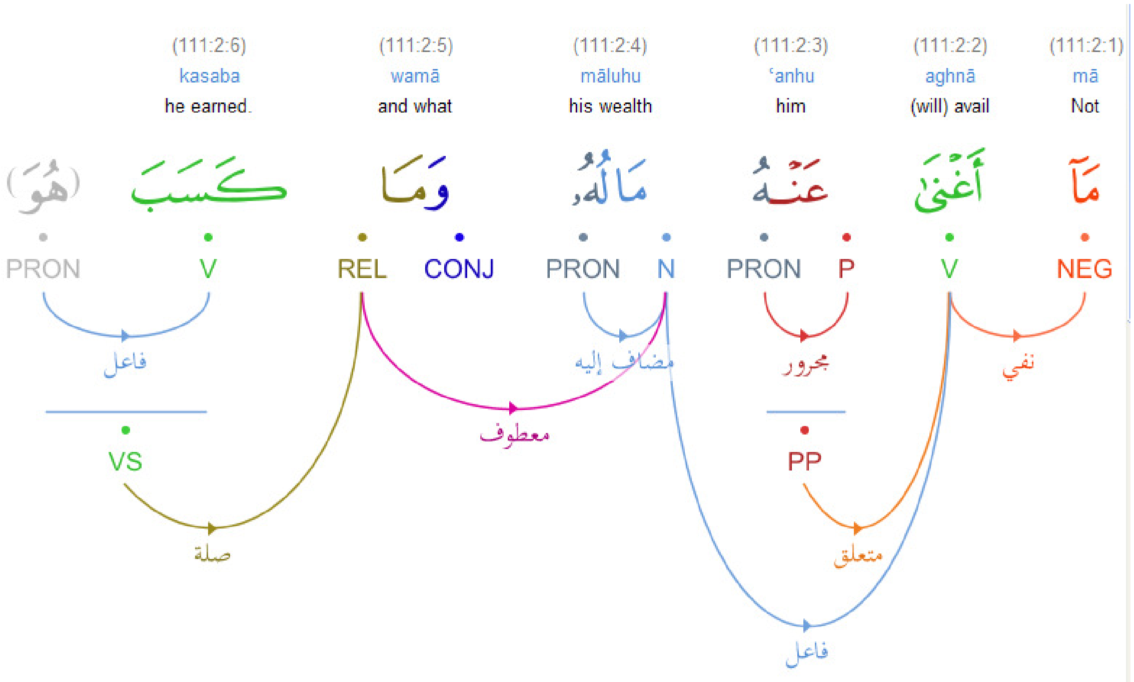

مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُۥ وَمَا كَسَبَ (۲)

" نافع نہیں ہوا اُس کا مال اُس کے لئے اور نہ وہ جو اُس نے کمایا "

جملة «ما أغنى» مستأنفة، «ما» مصدرية والمصدر معطوف على «ماله» أي: وكسبُه.

مَا : موصولہ حرف نفي أَغْنٰى :مادہ :غ ن ی (ناقص یائی) باب: افعال زمانہ:ماضی معروف صیغہ: واحد مذکر غائب

☆اصلی شکل: اَغْنٰی :اَفْعَلَ کے وزن پر اَغْنَیُ (متحرک حرفِ علتالف میں بدل جاتا ہے اگر اُس سے قبل حرف پر فتحہ ہو) اَغْنٰی

عَنْهُ : عَنْ : مضاف + هُ:ضاف الیہ/ضمیر مجرورہ متصلہ/واحد مذکر غائب = مرکب اضافی مَالُهٗ :مَالُ : مضاف + هُ:ضاف الیہ/ضمیر مجرورہ متصلہ/واحد مذکر غائب = مرکب اضافی اسم مرفوع والهاء ضمير متصل في محل جر بالاضافة وَ : واو استیناف مَا : موصولہ

الواو عاطفة اسم موصول كَسَبَ :مادہ :ک س ب (فعل صحیح) باب:(ض) زمانہ:ماضی معروف صیغہ: واحد مذکر غائب

اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اپنے رشتہ داروں کو انذار و تبلیغ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر یا صباحاہ! کی آواز لگائی۔ اس طرح کی آواز خطرے کی علامت سمجھی جاتی ہے، چنانچہ اس آواز پر لوگ اکٹھے ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ذرا بتلاؤ، اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک گھڑ سوار لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے، تو تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا، کیوں نہیں۔ ہم نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا نہیں پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں تمہیں ایک بڑے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں۔ (اگر تم کفر و شرک میں مبتلا رہے) یہ سن کر ابو لہب نے کہا تبًا لنا تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمادی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ تبت) ابو لہب کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا، اپنے حسن جمال اور چہرے کی سرخی کی وجہ سے اسے ابو لہب (شعلہ فروزاں) کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اپنے انجام کے اعتبار سے بھی اسے جہنم کی آگ کا ایندھن بننا تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید دشمن تھا اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب بھی دشمنی میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی۔ (احسن البیان)

تبت یدآ ابی لہب وتب ایک پیشنگوئی ہے جس میں آئندہ پیش آنے والی بات کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے گویا اس کا ہونا ایسا یقینی ہے جیسے وہ ہو چکی ہو۔ اب فی الواقع وہی کچھ ہوا جو اس سورہ میں چند سال پہلے بیان کیا جا چکا تھا۔ ہاتھ ٹوٹنے سے مراد جسمانی ہاتھ ٹوٹنا نہیں ہے بلکہ کسی شخص کا اپنے مقصد میں قطعی ناکام ہو جانا ہے جس کے لئے اس نے اپنا پورا زور لگا دیا ہو۔ جنگ بدر میں قریش کے اکثر و بیشتر وہ بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے جو اسلام دشمنی میں ابو لہب کے ساتھی تھے۔ مکہ میں

جب شکست کی خبر پہنچی تو اس کو اتنا رنج ہوا کہ وہ سات دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا پھر اس کی موت بھی نہایت عبرتناک تھی۔ اسے شکم تحوکشہ (Malignant Pustule) عدسہ کی بیماری ہوگئی جس کی وجہ سے اس کے گھروالوں نے اسے چھوڑ دیا تھا کیونکہ انہیں چھوت لگنے کا ڈر تھا۔ مرنے کے بعد بھی تین روز تک کوئی اس کے پاس نہ آیا یہاں تک کہ اس کی لاش سڑ گئی اور بدبو پھیلنے لگی تو ایک روایت کے مطابق اس کے بیٹوں نے کچھ حبشیوں کو اجرت دے کر اس کی لاش اٹھوا دی اور انہی مزدوروں نے اس کو دفن کیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس کے بیٹوں نے ایک گڑھا کھدوایا اور لکڑیوں سے اس کی لاش کو دھکیل کر اس میں پھینکا اور اوپر سے مٹی ڈال کر اسے ڈھانک دیا۔ (الکتاب)

ساتویں دن یہ بیماری چیچک کی شکل اختیار کر گئی تو اسے اپنی ساری عمر کی کمائی برباد ہوتی نظر آنے لگی کیونکہ اب اسے اپنی موت کا یقین ہو چکا تھا۔ چھوت کی وجہ سے اس کے بیٹوں نے اس کے ساتھ کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔ بالآخر وہ نہایت بے کسی کی موت مرا۔ مرنے کے بعد بھی اس کا کوئی بیٹا اس کے قریب نہ گیا۔ تین دن تک اس کی لاش بے گور و کفن گلتی سڑتی رہی۔ پھر جب لوگوں نے اس کے بیٹوں کو طعنے دینے شروع کیے تو انہوں نے ایک حبشی کو کچھ معاوضہ دیا کہ وہ ایک گڑھا کھود کر اس میں لاش کو دھکیل دے اور اوپر سے مٹی ڈال دے۔ یا پتھر وغیرہ دور سے پھینک کر لاش کو چھپا دے۔

واضح رہے کہ اس آیت میں مَاكَسَبَ سے مراد اس کی اولاد ہے جیسا کہ احادیث صریحہ سے ثابت ہے۔ اس طرح اللہ کا یہ قول پورا ہوا کہ نہ اس کا مال کام آیا نہ اولاد۔ (تیسر القرآن)

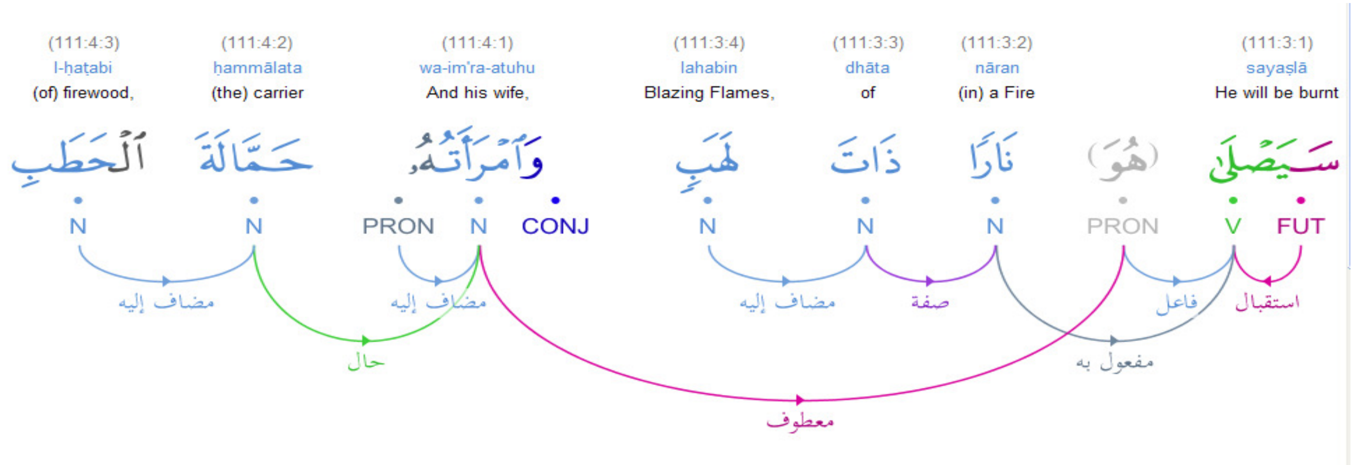

سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (٣)

"عنقریب وہ جھونکا جائے گا بھڑکتی ہوئی آگ میں"

جملة «سيصلى» مستأنفة، «ذات» نعت.

سَيَصْلَىٰ :سَ + يَصْلَىٰ : مادہ :ص ل ی (ناقص یائی) باب:(س) زمانہ:مضارع معروف صیغہ: واحد مذکر غائب حرف استقبال

فعل مضارع

☆اصلی شکل يَصْلَىٰ : يَفْعَلُ کے وزن يَصْلَيُ (متحرک حرفِ علت الف میں بدل جاتا ہے اگر اُس سے قبل حرف پر فتحہ ہو) يَصْلَىٰ نَارًا: مفعول اسم منصوب ذَاتَ لَهَبٍ :نَارًا کا بدل ذَاتَ : اسم منصوب مضاف + لَهَبٍ : مضاف الیہ = مرکب اضافی

ابولہب کنیت ہونے کی دنیا میں مناسبت یہ تھی کہ اس کا رنگ سیب کی طرح لال تھا اور آخرت میں مناسبت یہ ہوگی کہ شعلوں والی آگ میں پھینکا جائے گا۔ (عثمانی)

وَامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ (۴)

"اور اُس کی عورت ایندھن اُٹھائے پھرتی ہے"

»وامرأته« معطوف على الفاعل في «يصلى»، وسوغ العطف الفاصل، «حمالة» مفعول به لفعل (أذم)، وجملة (أذم) معترضة بين الحال وصاحبها. وَ :استئناف اِمۡرَاَتُهٗ :اِمۡرَاَتُ:مضاف + هٗ :مضاف الیہ = مرکب اضافی الواو عاطفة اسم مرفوع والهاء ضمير متصل في محل جر بالاضافة حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ : حَمَّالَةَ : اسم منصوب مضاف + الۡحَطَبِ اسم مجرور:مضاف الیہ = مرکب اضافی

ابو لہب کی بیوی کا تعارف :۔ابو لہب کی بیوی کا نام آرویٰ اور کنیت ام جمیل تھی۔ ابو سفیان بن حرب بن امیہ کی بہن تھی۔ جو ابو جہل کی موت کے بعد رئیس قریش اور سپہ سالار افواج بنا تھا۔ رسول دشمنی میں یہ عورت بھی اپنے خاوند سے کسی صورت کم نہ تھی۔ جنگل سے خار دار جھاڑ جھنکار اٹھالاتی اور رات کے اندھیرے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے آگے ڈال دیتی تاکہ جب آپ صبح بیت اللہ کو جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹے چبھ جائیں۔ نیز آپ کے بال بچے بھی زخمی ہوں۔ خاصی بدزبان اور مفسدہ پرداز عورت تھی۔ جب سورہ لہب نازل ہوئی تو یہ مٹھی بھر کنکریاں لے کر بیت اللہ کو چل کھڑی ہوئی۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجو کی صورت میں سورہ لہب کا جواب دے اور کنکریاں مار کر اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کرے۔ اتفاق کی بات کہ اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نظر ہی نہ آئے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی: '' تمہارا ساتھی کدھر ہے؟ سنا ہے وہ میری ہجو کرتا ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''اس نے تو کوئی ہجو نہیں کی۔ (یعنی اگر ہجو کی ہے تو وہ اللہ نے کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی) یہ جواب سن کر وہ واپس چلی آئی۔ (تیسیر القرآن)

اصل الفاظ ہیں حمالۃ الحطب جن کے لفظی معنی ہیں لکڑیاں ڈھونے والی۔ عرب کے محاورے میں چغل خوری کرنے والے کو حمالۃ الحطب کہا جاتا ہے۔ جیسے کوئی لکڑیاں جمع کر کے آگ لگانے کا سامان کرتا ہے، چغل خور کا عمل بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنی چغل خوری کے ذریعے لوگوں کو بھڑکاتا ہے۔ (الکتاب)

یعنی جہنم میں یہ اپنے خاوند کی آگ پر لکڑیاں لا لا کر ڈالے گی، تاکہ مزید آگ بھڑکے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہوگا۔ یعنی جس طرح یہ دنیا میں اپنے خاوند کی، اس کے کفر و عناد میں مددگار تھی آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار ہوگی۔ (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ وہ کانٹے دار جھاڑیاں ڈھو ڈھو کر لاتی اور نبی کریم کے راستے میں لا کر بچھا دیتی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کی چغل خوری کی عادت کی طرف اشارہ ہے۔ چغل خوری کے لیے یہ عربی محاورہ ہے۔ یہ کفار قریش کے پاس جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت کرتی اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر اکساتی تھی۔ (فتح الباری) (احسن البیان)

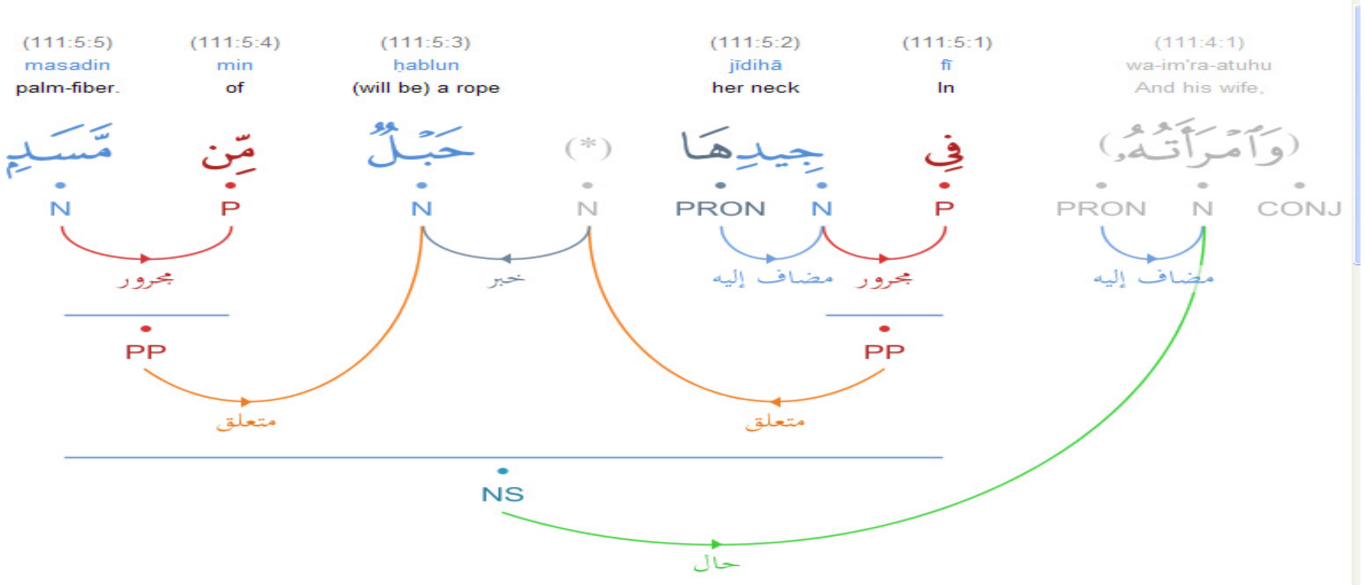

فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ (۵)

"اُس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہے "

جملة «في جيدها حبل» حالية من «امرأته»، الجار «مِنْ مسد» متعلق بنعت لـ«حبل.«

فِیۡ جِیۡدِہَا : فِیۡ :حرف جار + جِیۡدِہَا : مجرور/ مرکب اضافی = مرکب جاری

جِیۡدِہَا : جِیۡدِ :مضاف + ہَا :مضاف الیہ/ضمیر مجرورہ متصلہ / واحد مونث غائب = مرکب اضافی

حَبۡلٌ : اسم مِّنۡ مَّسَدٍ :مِنۡ : حرف جار+ مَسَدٍ :مجرور = مرکب جاری

ما نافية أو اسم استفهام مفعول به مقدّم، *عنه* متعلّق بـ *أغنى* ، *ما* حرف مصدريّ ..
والمصدر المؤوّل *ما كسب ..* في محلّ رفع معطوف على ماله.
جملة : « تبّت يدا ... » لا محلّ لها ابتدائيّة.
وجملة : « تبّ ... » لا محلّ لها معطوفة على الابتدائيّة.
وجملة : « ما أغنى عنه ماله ... » لا محلّ لها استئنافيّة.
وجملة : « كسب ... » لا محلّ لها صلة الموصول الحرفيّ *ما*.

3 - 5 *السين* للاستقبال *ذات* نعت لـ *نارا* منصوب *الواو* عاطفة - أو استئنافيّة - *امرأته* معطوف على الضمير الفاعل في *يصلى* الذي سوّغ العطف من غير ذكر الضمير المنفصل وجود المفعول به .. ويجوز أن يكون *امرأته* مبتدأ خبره جملة في جيدها حبل.، *حمّالة* مفعول به لفعل محذوف تقديره أذمّ أو حال من امرأته - أجازه العكبريّ - ، *في جيدها* متعلّق بخبر مقدّم للمبتدأ *حبل* *من مسد* متعلّق بنعت لـ *حبل* ..
وجملة : « سيصلى ... » لا محلّ لها استئناف بيانيّ.
وجملة : « في جيدها حبل ... » لا محلّ لها استئناف بيانيّ آخر.
الصرف :
أبو لهب ، كنية عبد العزّى عمّ النبيّ صلى الله عليه وسلّم ، كنّي بذلك لتلهّب وجهه بالحمرة.
حمّالة ، مؤنّث حمّال صيغة مبالغة اسم الفاعل من الثلاثيّ حمل ، وزنه فعّالة.
جيد ، اسم جامد لمعنى العنق ، وزنه فعل بكسر فسكون.
مسد ، اسم جامد لمعنى ليف ، وزنه فعل بفتحتين ، وفي القاموس :
المسد بفتح السين المحور من الحديد أو حبل من ليف أو كلّ حبل محكم الفتل ، والجمع مساد وأمساد.

جید گردن۔ مسد، مضبوط بٹی ہوئی رسی۔ وہ مونج کی یا کھجور کی پوست کی ہو یا آہنی تاروں کی۔ جیسا کہ مختلف لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ دنیا میں ڈالے رکھتی تھی جسے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جہنم میں اس کے گلے میں جو طوق ہوگا، وہ آہنی تاروں سے بٹا ہوا ہوگا۔ مسد سے تشبیہ اس کی شدت اور مضبوطی کو واضح کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ (احسن البیان)

ف ۵ یعنی بہت مضبوط بٹی ہوئی چبھنے والی۔ اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوزخ کے طوق سلاسل ہیں اور تشبیہ " حمالۃ الحطب " کی مناسبت سے دی گئی ہے۔ کیونکہ لکڑیوں کا بوجھ اٹھانے میں رسی کی ضرورت پڑتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس عورت کے گلے میں ایک ہار بہت قیمتی تھا۔ کہا کرتی تھی کہ لات وعزیٰ کی قسم۔ اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت پر خرچ کر ڈالوں گی۔ ضرور تھا کہ دوزخ میں بھی اس کی گردن ہار سے خالی نہ رہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس بدبخت کی موت بھی اسی طرح واقع ہوئی، لکڑیوں کے گٹھے کی رسی گلے میں آپڑی جس سے گلا گھٹ کر دم نکل گیا۔ (عثمانی)

اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ جس مونج کی چبھنے والی موٹی رسی سے وہ جھاڑ جھنکار باندھا کرتی وہی اس کی گردن میں اٹک گئی اور ایسی پھنسی کہ بالآخر اس کی موت کا سبب بن گئی۔ (تیسیر القرآن)

لَمَّا دَعَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمَهٗ وَقَالَ اِنِّىْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ فَقَالَ عَمُّهٗ اَبُوْلَهَبٍ تَبًّا لَّكَ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا نَزَلَتْ **تَبَّتْ** خَسِرَتْ **يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ** اَىْ جُمْلَتُهٗ وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْيَدَيْنِ مَجَازٌ لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهِمَا وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ دُعَاءٌ **وَّ تَبَّ**(١) خَسِرَ هُوَ وَهٰذِهٖ خَبَرٌ كَقَوْلِهِمْ اَهْلَكَهُ اللّٰهُ وَقَدْ هَلَكَ وَلَمَّا خَوَّفَهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَذَابِ فَقَالَ اِنْ كَانَ مَا يَقُوْلُ ابْنُ اَخِىْ حَقًّا فَاِنِّىْ اَفْتَدِىْ مِنْهُ بِمَالِىْ وَوَلَدِىْ نَزَلَ **مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ**(٢) وَكَسْبُهٗ اَىْ وَلَدُهٗ وَاَغْنٰى بِمَعْنٰى يُغْنِىْ **سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ**(٣) اَىْ تَلَهُّبٍ وَتَوَقُّدٍ فَهِىَ مَآلُ تَكْنِيَتِهٖ لِتَلَهُّبِ وَجْهِهٖ اِشْرَاقًا وَّحُمْرَةً **وَّامْرَاَتُهٗ** عَطْفٌ عَلٰى ضَمِيْرِ يَصْلٰى سَوَّغَهُ الْفَصْلُ بِالْمَفْعُوْلِ وَصِفَتُهٗ وَهِىَ اُمُّ جَمِيْلٍ **حَمَّالَةَ** بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ **الْحَطَبِ**(٤) اَلشَّوْكِ وَالسَّعْدَانِ تُلْقِيْهِ فِىْ طَرِيْقِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فِىْ جِيْدِهَا** عُنُقِهَا **حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ**(٥) اَىْ لِيْفٍ وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنْ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ الَّذِىْ هُوَ نَعْتٌ لِاِمْرَاَتِهٖ اَوْخَبَرُ مُبْتَدَاٍ مُّقَدَّرٍ

سورۃ ابی لہب مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں. بسم اللہ الرحمن الرحیم.

ترجمہ.......... (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی قوم کو دعوت دینی شروع کی اور فرمایا کہ **انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید** آپ کا چچا ابولہب بولا **تبالک الھذا دعوتنا** . اس پر یہ آیات نازل ہوئیں) ٹوٹ گئے (برباد ہو جائیں) دونوں ہاتھ ابولہب کے (یعنی وہ پورا تباہ ہو جائے مجازاً اس کو ہاتھوں سے تعبیر کر دیا ہے. کیونکہ اکثر کام ہاتھوں ہی سے کیئے جاتے ہیں. یہ جملہ دعائیہ ہے) اور وہ برباد ہو جائے (یہ اس کی بربادی کی اطلاع ہے جیسے کہا جائے **اھلکہ اللہ وقد ھلک** اور چونکہ حضورؐ نے عذاب کی دھمکی دی تھی اس لیے ابولہب کہنے لگا کہ میرے بھتیجے کی بات اگر ٹھیک نکلی تو میں اپنے مال و اولاد کو فدیہ کر دوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی) اس کو مال اور جو کچھ اس نے کمایا. وہ اس کے کسی کام نہ آئے گا (کسب سے مراد اس کی اولاد ہے اور اغنیٰ بمعنی **یغنی** ہے) عنقریب وہ ایک شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا (یعنی دہکتی ہوئی لپٹیں اٹھتی ہوئی سرخ و سفید رونق دار چہرہ کی وجہ

سے ابولہب اس کی کنیت تھی یہ اس کا انجام ہے)اور اس کی جورو بھی (**یصلیٰ** کی خبر پر حلف ہے مفعول اور اس کی صفت کے بیچ میں حائل ہو جانے کی وجہ سے اس عطف کی گنجائش ہے بیوی کا نام ام جمیل تھا) جو اٹھا کر لانے والی ہے (رفع اور نصب کے ساتھ) لکڑیاں (کانٹے اور سعدان کی لکڑیاں لا کر حضورؐ کے راستہ میں بکھیر دیتی تھی) اس کی گردن (گلے) میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی (یعنی بل دی ہوئی. یہ جملہ **حمالة الحطب** کا حال ہے جو امراته کی صفت ہے یا مبتدا مفدر کی خبر ہے)۔

تحقیق وترکیب:............ تبت. تباب ایسے نقصان وخسارہ کو کہتے ہیں جو تباہ کن ہو.

یداابی لهب . ہاتھوں کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے **لا تلقوا بایدیکم الی التهلکة** میں ہے دوسرے ابولہب کی بات کا جواب ہے اس نے پہلے **تبا لک** کہا اور ہاتھ سے پتھر اٹھا کر آپ کے پھینک مارا پس اول تب کا لفظ اس نے استعمال کیا اور ایک ہاتھ سے پتھر مارا اس لیے جواب میں دونوں ہاتھوں کو بربادی میں شریک کرلیا. اور بعض نے **یدین** سے دنیا وآخرت بطور کنایہ کے لی ہیں یعنی یہ دونوں برباد ہوگئیں. اس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور بظاہر کنیت تعظیم کے لیے ہوا کرتی ہے مگر یہاں اس کا نام لینے میں کراہت سمجھی گئی. کیونکہ وہ فی الحقیقت عبداللہ تھا نہ کہ عبدالعزیٰ اور مشہور ہونے کی وجہ سے کنیت پر اکتفا کرلیا گیا دوسرے لہب کے لفظ سے التہاب نار کی طرف کنایہ کیا گیا ہے جس سے اس کا دوزخی ہونا معلوم ہو جائے ایک قرات ابولہب ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے ''علی بن ابو طالب'' کہا جائے اور ابن کثیرؒ لہب سکون **ھا** کے ساتھ پڑھتے ہیں.

وتب . یہ دونوں لفظ خبر ہیں اور ماضی کے صیغے محقق الوقوع ہونے کی وجہ سے لائے گئے ہیں جیسے یہ شعر ہے

جـزانـی جـزاه الله شـر جـزائـه . جزاء الکلاب العادیات و قد فعل

چنانچہ دوسری قراءت ''**وقد تب**'' ہے یا یوں کہا جائے کہ پہلا لفظ ہاتھوں کے کرتوت کی اطلاع ہے اور دوسرا لفظ خود اس کے کرتوت کی خبر دیتا ہے. **ومـا کسـب** . **ما** مصدریہ یعنی اس کا کسب ضائع ہوگیا یا کسب بمعنیٰ مکسوب ہے یعنی مالداری کے منافع وجاہت نوکر چاکر وغیرہ یا عمل مراد ہے جس کو وہ اپنے لیے نفع بخش سمجھتا تھا یا اس کا بیٹا عقبہ مراد ہے جس کو شیر نے پھاڑ ڈالا تھا گویا یہ باتیں بطور پیشگوئی کے فرمائی گئی ہیں.

سیصـلـی . اس سے یہ استدلال کرنا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا پھر اس کو ایمان کا مکلّف قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اجتماع نقیضین ہے پس اجتماع نقیضین کی وجہ سے یہ بھی محال ہے اور محال کا مکلّف قرار دینا تکلیف مالا یطاق ہے جو عقلاً گو جائز ہے مگر اہل سنت کے نزدیک شرعاً جائز نہیں آیت **لا یکلف الله الخ** کی وجہ سے پس اس شبہ کا جواب قاضی بیضاویؒ نے تو یہ دیا ہے کہ لفظ **سیصلیٰ** سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے گا اس لیے ضرور جہنم میں جائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے. اسی لحاظ سے وہ ایمان لانے کا مکلّف ہے. لیکن پھر دوزخ میں جانا وہ فسق وفجور کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ ایک وقتی دخول ہوگا ابدی داخلہ نہیں جو معترض نے سمجھا تھا.

لیکن قاضیؒ کا یہ جواب ان لوگوں نے ناپسند کیا ہے جو آیت **لا انا عابد ما عبدتم** اور **لکم دینکم ولی دین** کے معنی یہ لیے ہیں کہ ان کافروں کا دوزخی ہونا طے شدہ ہے. وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے. جس سے پھر اشکال بدستور متوجہ ہو جائے گا جس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جائے گا کہ **سیصلی** تو زمانہ استقبال کے لیے بھی نص نہیں ہے چہ جائیکہ زمانہ استقبال کا استغراق ودوام لیا جائے. پس ممکن ہے اس سے دنیوی سزا مراد ہو. گویا عذاب دوزخ کا یہاں ذکر نہیں کہ اشکال ہو لیکن اچھی توجیہ یہ ہے کہ انسان ایمان اجمالی کا مکلّف ہے اور مرتبہ اجمالی میں اجتماع نقیضین جائز ہے اور ایک قراءت میں **سیصلی** تخفیف وتشدید کی صورت میں بھی ہے.

وامراته ۔ اس کا عطف سیصلیٰ کی ضمیر متصل پر ہے اور مفعول مع صنعت کے فاعل ہونے کی وجہ سے یہ عطف جائز ہے یا اس کو مبتدا کہا جائے ۔ یہ عورت اروی ہے جس کی کنیت ام جمیل ہے ابوسفیان کی بہن اور حرب کی بیٹی تھی ۔

حمالة الحطب ۔ اس سے مراد بقول ابن حجر ورزخ کا گٹھہ ہے جو ایذائے رسول کے کام کر کے وہ گناہوں کا بوجھ لا د رہی تھی ۔ یا بقول مجاہدؒ وقتادہؒ چغلخوری مراد ہے جس سے دشمنی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے چنانچہ فارسی میں ہیزم کش چغلخور کو کہتے ہیں یا بقول ابن عباسؓ وضحاکؒ لکڑیوں کا بوجھ مراد ہے جو جنگل سے چن چن کر وہ لاتی تھی اور حضور کی راہ میں رات کو کانٹے بچھا دیتی تھی عاصمؒ نے اس کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے ۔

حبل من مسد ای من ما مسد اور مسد کے معنی بٹنے کے آتے ہیں رجل ممسود الخلق یعنی مضبوط ہے اس میں استعارہ ترشیحیہ ہے یا ام جمیل کو ایسی فرضی عورت کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس کا یہ حال ہوا یا دوزخ میں اس کی حالت کا ذکر ہے کہ بقول ابن عباسؓ آگ کی زنجیر میں زقوم اور ضریع کی لکڑیاں باندھ کر اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے گا یعنی جیسا کر رہی ہے ویسا ہی بھگتے گی ۔

فی جیدھا ۔ موضع حال میں ہے یا خبر ہے اور حبل ظرف کی وجہ سے مرفوع ہے ۔

ربط آیات: .... والضحیٰ کی تمہید میں بیان کردہ مہمات میں سے مخالفت اور ایذا رسول سے بچنا بھی ہے اس صورت میں اسی کا بیان ہے یہ سورت مکی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اس وقت سے ہے کہ خاندان بھر میں آپ کے حقیقی چچا عبدالعزیٰ ابولہب بن عبدالمطلب کا بغض وعناد اور غصہ وعداوت کھل کر لوگوں کے سامنے آ چکی تھی اور کھلم کھلا اس نے دشمنوں کا ساتھ دیا ۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب سگے چچا کی زیادتیاں علانیہ سب کے سامنے آ گئیں تو قرآن نے بھی کھل کر پوری مذمت کی ۔ ورنہ ایک بھتیجے کے منہ سے چچا کی کھلم کھلا برائی اخلاقی حیثیت سے لوگوں کی نظروں میں معیوب سمجھی جاتی ۔ مگر پانی جب سر سے گزر گیا تو مجبوراً زبان کھولنی پڑی اسی لیئے قرآن میں نام کی صراحت کے ساتھ اسی ایک جگہ مذمت کی گئی ہے حالانکہ مکہ مدینہ میں کتنے ہی دشمنان اسلام ایسے تھے جو آپ کے قرابت دار بھی تھے مگر انہوں نے ابولہب سے کم کردار ادا نہیں کیا ۔ پھر بھی نام بھی لے کر رسوا نہیں کیا گیا سورت کی وجہ تسمیہ واضح ہے ۔

بی حمالو کا کردار: .... حمالة الحطب ۔ کے معنی قتادہؒ، عکرمہؒ، حسنؒ، مجاہدؒ، سفیان ثوریؒ نے چغل خوری کے لیے ہیں یعنی وہ بی حمالو تھی ۔ اور سعید بن جبیرؒ گناہوں کے بوجھ کے معنی لیتے ہیں ۔ فلان یحطب علی ظهره کہا جاتا ہے کہ وہ گناہ پیٹھ پر لا د رہا ہے ۔ فی جیدھا ۔ جید ایسی گردن جس میں زیور پہنا گیا ہو ۔ حسن بصریؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ وہ ایک قیمتی ہار پہنا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ لات وعزیٰ کی قسم ! میں اس کو بیچ کر محمدؐ کی عداوت میں خرچ کر دوں گی اس لیے یہاں طنزیہ فرمایا گیا ہے کہ دوزخ میں اس کی جگہ گلے میں مونجھ کی بٹی ہوئی مضبوط رسی پڑی ہوگی ۔ یا لوہے یا اونٹ کی کھال یا درختوں کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ڈالی جائے گی ۔

ذکر کنیت کی وجہ:

سورت میں اس کی کنیت استعمال کی گئی ہے اس کی کنیت بطور اعزاز کے لوگوں میں معروف تھی۔ نام اتنا معروف نہ تھا۔ اور یہ وجہ بھی ہے اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ جو کہ مکروہ اور مشرکانہ نام تھا اور تیسری بات یہ ہے اس کا انجام شعلہ زن آگ ہے۔ پس اس کی حالت آخروی اس کی کنیت سے موافقت رکھتی تھی۔

قراءت: مکی نے ابی لَهْبٍ ھاء کے سکون سے پڑھا ہے۔

۲: مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (اور نہ مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی) ما پہلا نافیہ ہے۔ اور ما کسب کا ما موصولہ یا مصدر یہ ہے۔ ای مکسوبہٗ یا کسبہ، یعنی اس کا کمایا ہوا یا کمانا۔ یعنی اس کے اس مال نے بھی فائدہ نہ دیا۔ جو باپ سے وراثت میں اس نے پایا اور نہ وہ مال جو بذات خود کمایا۔ یا پرانا مال اور تازہ کمایا ہوا کام نہ آیا۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما:

ما کسب ولدہ جو اس کی اولاد نے کمایا۔ روایت میں ہے کہ وہ کہا کرتا تھا۔ اگر میرے بھتیجے ہی کی بات درست ہے تو پھر میں اس سے بچنے کیلئے اپنا مال اور اولاد قربان کر دونگا۔

۳: سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (وہ عنقریب ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا) سیصلٰی کا معنی عنقریب داخل ہوگا۔

قراءت: البرجمی نے ابوبکر سے سَيُصْلٰى پڑھا ہے۔ سین وعید کیلئے ہے یا وہ بہر صورت ہو کر رہے گا اگرچہ اس کا وقت مؤخر ہے۔ ذات لھبٍ جلائی وبھڑکائی ہوئی آگ۔

۴: وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (وہ بھی اور اس کی بیوی جو لکڑیاں لا د کر لاتی ہے) وَّ امْرَ اَتُہٗ اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب جو ابوسفیان کی بہن تھی۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ وہ کانٹوں اور جھاڑ کا گٹھا اٹھا کر لاتی۔ رات وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں بکھیر دیتی۔

ایک قول یہ ہے: وہ چغل خوری کرتی اور لوگوں کے مابین عداوت کی آگ بھڑکاتی۔

قراءت: حمالة الحطب کو عاصم نے منصوب علی الذم قرار دیا۔ اور مجھے یہ قراءت پسند ہے اور اس نیکی کے ساتھ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک توسل حاصل کر لیا جو ام جمیل کو سب وشتم پسند کرے (کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں بکتی تھی) اس صورت میں امراتہ پر وقف ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا عطف سیصلٰی کی ضمیر پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: سیدخل ھو وا مراتہٗ اعنی حمالة الحطب۔

دیگر قراء نے حمالة الحطب کو رفع دیا ہے۔ اس طور پر کہ یہ وامراتہ کی خبر ہے یا ھی حمالةُ الحطب۔ یعنی ھی مبتدأ محذوف کی خبر مانیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ مختصر سی سورت بڑی فضیلت کی حامل ہے، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث (ایک تہائی ۱/۳) قرآن قرار دیا ہے اور اسے رات کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔(بخاری) بعض صحابہ رضی اللہ ہر رکعت میں دیگر سورتوں کے ساتھ اسے بھی ضرور پڑھتے تھے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا" تمہاری اس کے ساتھ محبت تمہیں جنت میں داخل کردے گی" (بخاری) اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بیان کرو۔(مسند احمد) (احسن البیان)

صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لو تو یہ صحابہ بھاری پڑا اور کہنے لگے بھلا اتنی طاقت تو ہر ایک میں نہیں آپ نے فرمایا سنو سورہ قل ہو اللہ تہائی قرآن ہے، مسند احمد میں ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالی عنہ ساری رات اسی سورت کو پڑھتے رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ذکر کیا گیا تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ آدھے قرآن یا تہائی قرآن کے برابر ہے،

حیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت جب بستر پر جاتے تو ہر رات تینوں سورتوں کو پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر ان پر دم کر کے اپنے جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے جہاں تک ہاتھ پہنچتے پہنچاتے، پہلے سر پر، پھر منہ پر، پھر اپنے سامنے کے جسم پر تین مرتبہ اسی طرح کرتے، یہ حدیث سنن میں بھی ہے۔

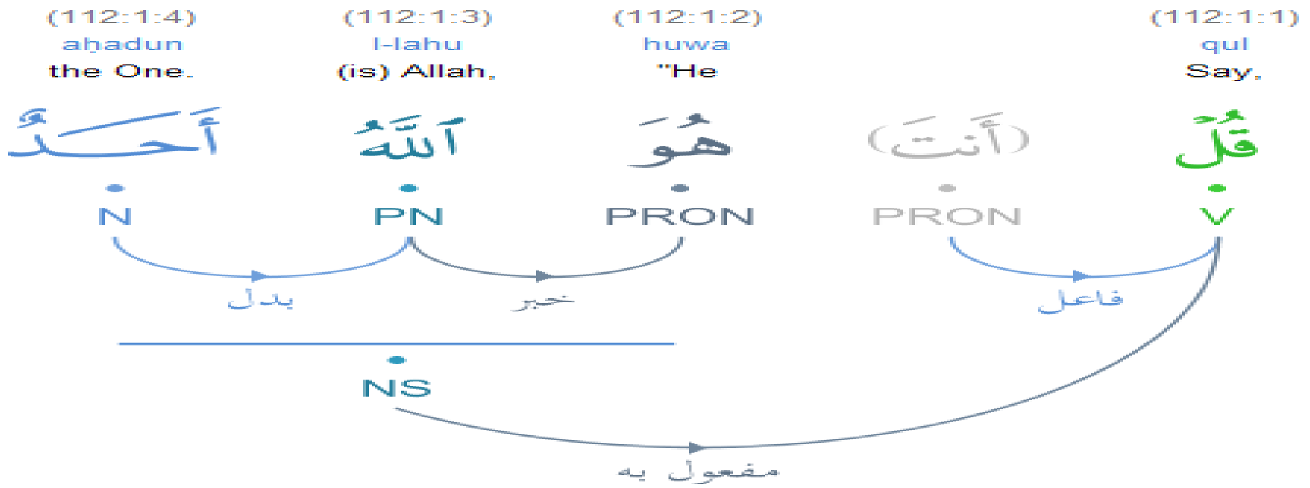

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (۱)

"کہدیجئے (اے نبی ﷺ) وہ اللہ آکیلا ہے"

»هو« ضمير الشأن مبتدأ، «الله» مبتدأ ثان، «أحد» خبر الثاني، والجملة خبر «هو»

قُلۡ: مادہ : ق و ل(اجوف واوی) باب: (ن) زمانہ:امر حاضر صیغہ: واحد مذکر

☆تَفۡعُلُ کے وزن پر تَقۡوُلُ (اگر حرف علت متحرک ہو اور ماقبل حرف ساکن ہو تو حرف علت کی حرکت ماقبل حرف کو منتقل کرکے حرف علت کو اسی حرکت کے مطابق حرف علت میں بدل دیں گے) تَقُوۡلُ سے امر حاضر قُوۡلُ (اجوف کے عین کلمہ کے بعد حرف پر اگر علامت سکون ہو خواہ ساکن ہونے کی وجہ سے یا مجزوم ہونے کی وجہ سے تو دونوں صورتوں میں عین کلمہ کا اصلی یا تبدیل شدہ حرف علت گر جاتا ہے) قُلۡ ہُوَاللّٰہُ اَحَدٌ : جملہ اسمیہ حصر کا اسلوب ہُوَ: مبتداء / ضمیر مرفوعہ منفصلہ/ واحد مذکر غائب

اللّٰہُ : متعلقہ خبر اَحَدٌ : خبر

یعنی جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے، ان سے کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہے جس کی ذات میں کسی قسم کے تعدد و تکثر اور دوئی کی گنجائش نہیں۔ نہ اس کا کوئی مقابل، نہ مشابہ، اس میں مجوس کے عقیدہ کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ خالق دو ہیں۔ خیر کا خالق "یزداں" اور شر کا "اہرمن" نیز ہنود کی تردید ہوئی جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔ (عثمانی)

یعنی اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے۔ کمالِ ذات یہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہاں ''واحد'' کی بجائے ''احد'' استعمال کیا گیا ہے اگرچہ ترجمہ تو دونوں کا ''ایک'' ہی کیا جاتا ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے ''احد'' کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ کسی ایک یا متعدد مادوں سے نہیں بنا اور نہ اس میں کثرت کا کوئی امکان ہے اور نہ وہ کسی کے مشابہ ہے۔ اس لئے عربی زبان میں ''احد'' صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ (الکتاب)

اَحَدٌ بمعنی لاثانی، بے نظیر، یکتا، اس لحاظ سے اس لفظ کا اطلاق صرف ذات باری تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ غیر اللہ کے لیے واحد کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ گنتی میں ایک، دو، تین کے لیے واحد، اثنین، ثلثۃ آتا ہے۔ واحد کے بجائے احد نہیں بولا جاتا۔ البتہ دو موقعوں پر احد کا لفظ واحد کا مترادف ہو کر آتا ہے۔ (۱) اسمائے اعداد کی ترکیب میں جیسے احد عشر (گیارہ) احدھما (دونوں میں سے کوئی ایک۔) اَحَدٌ مِّنْکُمْ (تم میں سے کوئی ایک) اَحَدُکُمْ (تمہارا کوئی ایک) یوم الاحد (اتوار) وغیرہ (۲) نفی کی صورت میں صرف ذوی العقول کے لیے آتا ہے جیسے لَیْسَ فِی الدَّارِ اَحَدٌ (گھر میں کوئی بھی نہیں ہے) جبکہ واحد کا لفظ عام ہے جو ماسوا اللہ کے لیے تو عام مستعمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے صرف اس صورت میں کہ اللہ کی کوئی صفت بھی مذکور ہو جیسے ھُوَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ (۱۶: ۱۳) یعنی اللہ وہ ہے جو اکیلا ہے سب کو دبا کر رکھنے والا)۔ (تیسیر القرآن)

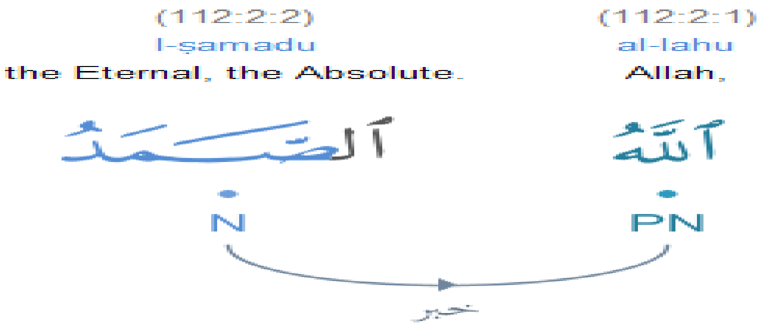

اَللّٰہُ الصَّمَدُ (۲)

"اللہ بے نیاز ہے"

»اللہ الصمد» مبتدأ وخبر، والجملة خبر ثان للمبتدأ» هُوَ.«

اَللّٰہُ الصَّمَدُ : اَللّٰہُ : موصوف + الصَّمَدُ :صفت = مرکب توصیفی

"صمد" کی تفسیر کئی طرح کی گئی ہے۔ طبرانی ان سب کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ "وکل ھذا صحیح وھی صفات ربنا عزوجل ھو الذی یصمد الیہ فی الحوائج وھو الذی قد انتھی سؤددہ، وھو الصمد الذی لاجوف لہ، ولا یاکل ولا یشرب وھو الباقی بعد خلقہ" (ابن کثیر) (یہ سب معانی صحیح ہیں اور یہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں۔ وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے۔ یعنی سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور وہ ہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ اور وہ ہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے۔ اور وہ ہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے) اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے ان جاہلوں پر رد ہوا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں۔ نیز آریوں کے عقیدہ مادہ و روح کی تردید بھی ہوئی۔ کیونکہ ان کے اصول کے موافق اللہ تو عالم کے بنانے میں ان دونوں کا محتاج ہے اور یہ دونوں اپنے وجود میں اللہ کے محتاج نہیں۔ (العیاذ باللہ) (عثمانی)

] صمد کا مفہوم اور صمد اور غنی میں فرق:۔ صَمَدٌ میں دو باتیں بنیادی طور پر پائی جاتی ہیں (۱) کسی چیز کا ٹھوس اور مضبوط ہونا (۲) لوگ ہر طرف سے اس کی طرف قصد کریں۔ اور الصَّمَدُ ایسی ذات ہے جو خود تو مستقل اور قائم بالذات ہو۔ وہ خود کسی کی محتاج نہ ہو مگر دوسری سب مخلوق اس کی محتاج ہو۔ بے نیاز کے لیے عربی زبان میں غنی کا لفظ بھی آتا ہے اور اس کی ضد فقیر ہے۔ اور غنی وہ ہے جسے کسی دوسرے کی احتیاج نہ ہو مگر یہ لفظ صرف مال و دولت کے معاملہ میں بے نیاز ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور غنی دولت مند کو کہتے ہیں۔ یعنی کم از کم اتنا مالدار ضرور ہو کہ اسے معاش کے سلسلے میں دوسروں کی احتیاج نہ ہو جبکہ صمد کا لفظ جملہ پہلوؤں میں بے نیاز ہونے کے معنوں میں آتا ہے اور دوسرے لوگ بھی جملہ پہلوؤں میں اس کے محتاج ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ کھانے پینے سے بھی بے نیاز ہے اور سونے اور آرام کرنے سے بھی۔ وہ اپنی زندگی اور بقا کے لیے بھی کسی کا محتاج نہیں ہے۔ مگر باقی سب مخلوق ایک ایک چیز رزق، صحت، زندگی، شفائی، اولاد حتی کہ اپنی بقا تک کے لیے بھی اللہ کی محتاج ہے۔ کوئی بھلائی کی بات ایسی نہیں جس کے لیے مخلوق اپنے خالق کی محتاج نہ ہو۔ (تیسیر القرآن)

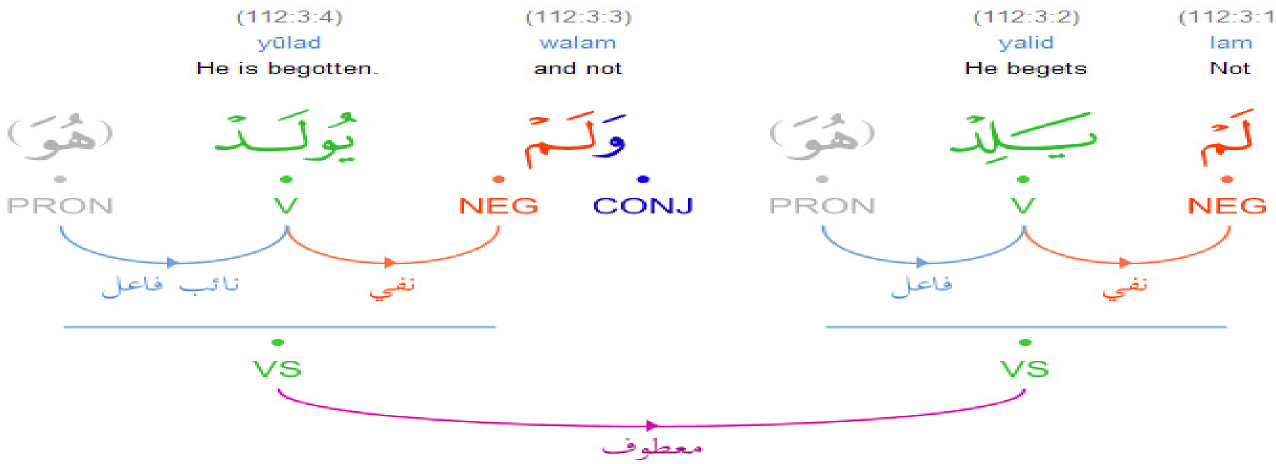

لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ (۳)

"اور وہ (اللہ) کسی کی اولاد نہیں اور نہ اُس کی کوئی اولاد ہے"

جملة «لم يلد» خبر ثالث.

لَمۡ يَلِدۡ : لَمۡ: جازم مضارع يَلِدۡ : مجزوم يَلِدۡ:مادہ : و ل د(مثال واوی) باب: (ن) زمانہ:امر حاضر صیغہ: واحدمذکر

وَ : استئناف الواو عاطفة لَمۡ يُوۡلَدۡ:لَمۡ:جازم مضارع + يُوۡلَدۡ: فعل مضارع مبني للمجهول مجزوم مادہ : و ل د(مثال واوی) باب: افعال زمانہ:مضارع مجزوم صیغہ: واحد مذکر غائب

یعنی نہ کوئی اس کی اولاد، نہ وہ کسی کی اولاد، اس میں ان لوگوں کا رد ہوا جو حضرت مسیح علیہ السلام کو یا حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ نیز جو لوگ مسیح علیہ السلام کو یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں ان کی تردید "لم یولد" میں کر دی گئی۔ یعنی خدا کی شان یہ ہے کہ اس کو کسی نے جنا نہ ہو۔ اور ظاہر ہے حضرت مسیح علیہ السلام ایک پاکباز عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پھر وہ خدا کس طرح ہو سکتے ہیں۔ (عثمانی)

اللہ کی اولاد قرار دینے والے فرقے:۔ انسان نے جب بھی اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق سوچا ہے تو اسے انسانی سطح پر لا کر ہی سوچا ہے اور چونکہ انسان اولاد کا خواہشمند ہوتا ہے۔ اس لیے انسان نے اللہ کی بھی اولاد قرار دے دی۔ حالانکہ جو چیز پیدا ہوتی ہے اس کا مرنا اور فنا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور جو چیز مرنے والی یا فنا ہونے والی ہو وہ کبھی خدا نہیں ہو سکتی۔ نیز انسان کو اولاد کی خواہش اور ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی قائم مقام بنے اور اس کی میراث سنبھالے جبکہ اللہ کو ایسی باتوں کی کوئی احتیاج نہیں۔ وہ حی لا یموت ہے، اسی خیال سے عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ کو اور یہود نے سیدنا عزیر کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔

مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اور یونانی، مصری اور ہندی تہذیبوں نے کروڑوں کی تعداد میں دیوی اور دیوتا بنا ڈالے۔ کوئی دیوی ایسی نہ تھی جس کا انہوں نے کوئی دیوتا شوہر نہ تجویز کیا ہو۔ اور کوئی دیوتا ایسا نہ تھا جس کے لیے انہوں نے کوئی دیوی بیوی کے طور پر تجویز نہ کی ہو۔ پھر ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ چلا کر کروڑوں خدا بنا ڈالے۔ یہ بھی غنیمت ہی سمجھئے کہ کسی قوم نے کسی کو اللہ کا باپ نہیں بنا ڈالا۔ ورنہ ایسے مشرکوں سے کیا بعید تھا کہ وہ ایسی بکواس بھی کر ڈالتے۔ اس آیت سے ایسے توہمات کی تردید ہو جاتی ہے۔ اللہ کی اولاد قرار دینا اتنا شدید جرم ہے کہ قرآن میں متعدد مقامات پر اس کی شدید مذمت وارد ہوئی ہے۔ نیز درج ذیل حدیث بھی اس جرم پر پوری روشنی ڈالتی ہے۔
اللہ کی اولاد قرار دینا اسے گالی دینے کے مترادف ہے:۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بنی آدم نے مجھے جھٹلایا اور یہ اسے مناسب نہ تھا اور مجھے گالی دی اور یہ اسے مناسب نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانے کا مطلب یہ ہے کہ جو وہ یہ کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ ہرگز پیدا نہ کروں گا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں ہے اور اس کا مجھے گالی دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے حالانکہ میں اکیلا ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میری کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور میرے جوڑ کا تو کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)
(تیسیر القرآن)

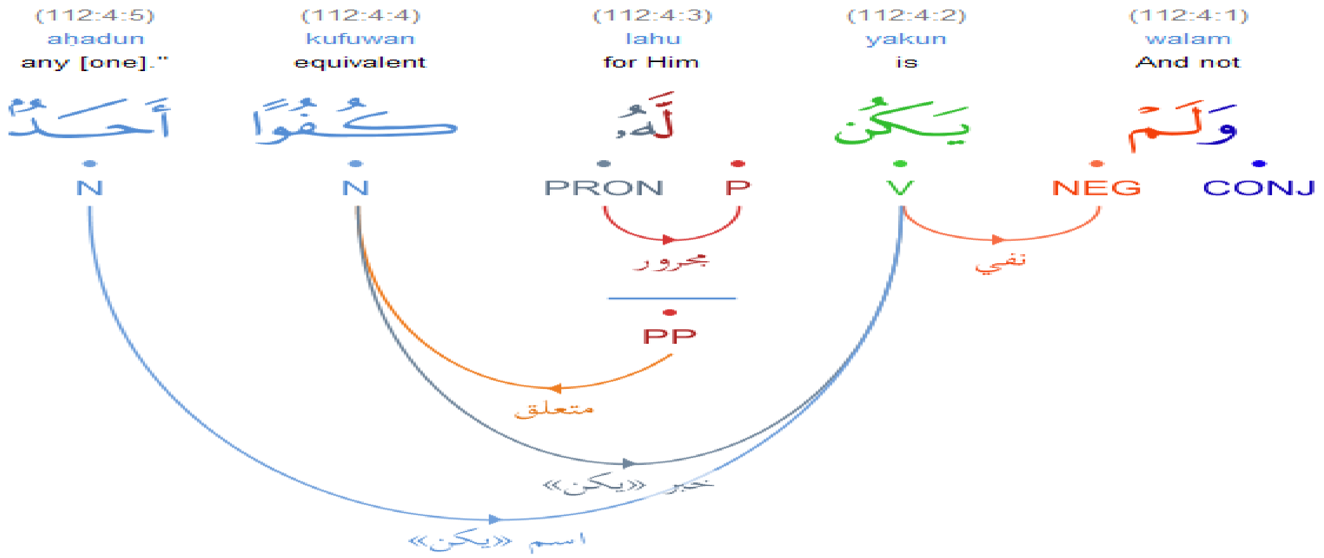

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (۴)

"اور اُس کا کوئی ہمسر نہیں"

«أحد» اسم «يكن»، الجار «له» متعلق بالخبر «كفوًا».

وَ :استیناف لَمْ یَکُنْ :لَمْ:جازم مضارع + یَکُنْ : مضارع مجزوم

یَکُنْ :مادہ : ک و ن(اجوف واوی) باب: (ن) زمانہ:مضارع مجزوم صیغہ: واحد مذکر غائب

☆اصلی شکل: یَکُنْ : یَکُوْنُ (حرفِ علت متحرک ہو اور ما قبل ساکن ہو تو حرفِ علت کی حرکت ما قبل حرف کو منتقل کرکے حرفِ علت کو اسی حرکت کے مطابق حرفِ علت میں بدل دیں گے) یَکُوْنُ مجزوم بوجہ لَمْ یَکُوْنْ (اگر حرفِ علت کے بعد حرف ساکن ہو تو حرفِ علت کو حذف کردیں گے) یَکُنْ

لَہٗ :لَ:حرف جار + ہٗ :مجرور/ضمیر مجرورہ متصلہ/واحد مذکر غائب = مرکب جاری کُفُوًا : منصوب بوجہ یَکُنْ کی خبر / فعل ناقص اَحَدٌ: مبتداء موء خر

الإعراب :

الله لفظ الجلالة مبتدأ ثان إذا كان الضمير *هو* ضمير الشأن .. أو خبر للمبتدأ *هو* إذا كان الضمير يعود على الإله

المعبود الذي سئل عنه الرسول عليه السّلام ، *أحد* خبر للمبتدأ *الله* أو خبر ثان للمبتدأ هو ، *له* متعلّق بخبر يكن : *كفوا*.
جملة : « قل ... » لا محلّ لها ابتدائيّة.
وجملة : « هو الله أحد ... » في محلّ نصب مقول القول.
وجملة : « الله أحد ... » في محلّ رفع خبر المبتدأ هو.
وجملة : « الله الصمد ... » في محلّ رفع خبر ثان للمبتدأ هو أو استئنافيّة في حيّز القول.
وجملة : « لم يلد ... » في محلّ رفع خبر ثالث للمبتدأ هو أو استئنافيّة في حيّز القول.
وجملة : « لم يولد ... » في محلّ رفع معطوفة على جملة لم يلد.
وجملة : « لم يكن له كفوا أحد » في محلّ رفع معطوفة على جملة لم يلد.
الصرف :
الصمد ، صفة مشبّهة وزنه فعل بفتحتين بمعنى مفعول أي المقصود في الحوائج.
كفوا ، اسم بمعنى المماثل ، وزنه فعل بضمّتين ، والواو مخفّفة من الهمزة.

اصل میں لفظ ''کفو'' استعمال ہوا ہے جس کے لفظی معنی مثل اور مماثل کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نہ کوئی اس کا مثل ہے نہ کوئی اس سے مشاکلت اور مشابہت رکھتا ہے۔ (الکتاب)

کفو کا لغوی مفہوم :۔ کُفُوًا: کفاء کپڑے کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو اس جیسے دوسرے ٹکڑے سے ملا کر خیمہ کی پچھلی طرف ڈال دیا جاتا ہے اور کفو اور کُفُی بمعنی ہم پایہ، ہم پلہ، مرتبہ و منزلت میں ایک دوسرے کے برابر ہونا۔ اس کے مقابلہ اور جوڑ یا ٹکر کا ہونا۔ کفو کا لفظ عموماً میدان جنگ میں دعوت مبارزت کے وقت یا نکاح اور رشتہ کے وقت بولا جاتا ہے۔ فلان کفو لفلان یعنی فلاں شخص فلاں کے جوڑ کا یا مدمقابل یا ہمسر ہے۔ رشتہ کے وقت بھی فریقین یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے فریق کی معاشی، معاشرتی اور تمدنی حالت اس جیسی ہے یا نہیں؟ بس یہی کفو کا مفہوم ہے۔ اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی ذات کے متعلق طرح طرح کے سوال کرتے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کے جوڑ کی ہو اور تمہیں سمجھایا جاسکے کہ اللہ فلاں چیز کی مانند ہے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا: (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ) 42-الشورى:11)

سورہ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے :۔ واضح رہے کہ چونکہ اس سورت میں توحید کے جملہ پہلوؤں پر مکمل روشنی ڈال دی گئی ہے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو تہائی قرآن کے برابر قرار دیا ہے اور یہ چیز بیشمار احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں بنیادی طور پر تین عقائد پر ہی زور دیا گیا ہے۔ اور وہ ہیں توحید، رسالت اور آخرت۔ اس سورت میں توحید کا چونکہ جامع بیان ہے اس لیے اسے قرآن کی تہائی کے برابر قرار دیا گیا۔ (تیسیر القرآن)

اس کی ذات میں اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں۔ (لیس کمثلہ شئی) (احسن البیان)

جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جورو یا بیٹا کہاں سے ہو۔ اس جملہ میں ان اقوام کا رد ہو گیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب علیہ السلام سے ہو رہی ہے، اور یعقوب علیہ السلام خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) (كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا) 18-الکہف:105) انی اسالک یا اللہ الواحد الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد ان تغفرلی ذنوبی انک انت الغفور الرحیم۔ (عثمانی)

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَبِّهٖ فَنَزَلَ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** ﴿۱﴾ فَاللّٰهُ خَبَرُ هُوَ وَاَحَدٌ بَدَلٌ مِنْهُ اَوْ خَبَرٌ ثَانٍ **اَللّٰهُ الصَّمَدُ** ﴿۲﴾ مُبْتَدأٌ وَّخَبَرٌ اَيِ الْمَقْصُوْدُ فِي الْحَوائِجِ عَلَى الدَّوَامِ **لَمْ يَلِدْ** لِاِنْتِفَاءِ مُجَانَسَةٍ **وَلَمْ يُوْلَدْ** ﴿۳﴾ لِاِنْتِفَاءِ الْحُدُوْثِ عَنْهُ **وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ** ﴿۴﴾ اَيْ مُكَافِيًا وَّمُمَاثِلًا فَلَهٗ مُتَعَلِّقٌ بِكُفُوًا وَقُدِّمَ عَلَيْهِ لِاَنَّهٗ مَحَطُّ الْقَصْدِ بِالنَّفْيِ وَاُخِّرَ اَحَدٌ وَهُوَ اِسْمُ يَكُنْ عَنْ خَبَرِهَا رِعَايَةً لِّلْفَاصِلَةِ

سورۂ اخلاص مکیہ یا مدنیہ ہے اس میں چار یا پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ:.......... (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے رب کے متعلق پوچھا گیا تو یہ سورت نازل ہوئی) آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے (اس میں اللہ خبر ہے ھو کی اور احد اللہ کا بدل ہے یا ھو کی خبر ثانی ہے) اللہ بے نیاز ہے (یہ مبتدا خبر ہے یعنی تمام حوائج میں سدا وہی مقصود ہے) نہ اس کے اولاد ہے (اس کا کوئی ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے) اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے (اللہ کے حادث نہ ہونے کی وجہ سے اس کو مقدم کر دیا گیا ہے اور یکن کے اسم احد کو اس کی خبر کے بعد لایا گیا ہے فاصلہ آیات کی رعایت کرتے ہوئے)۔

تحقیق وترکیب:.......... **ھو اللہ احد**۔ دو ترکیبیں مفسرؒ نے بیان فرمائی ہیں لیکن قاضی بیضاویؒ **ھو** کو ضمیر شان کہتے ہیں **ھو زید منطلق**۔ کی طرح ابتدا کی وجہ سے یہ مرفوع ہے اور **اللہ احد** جملہ اس کی خبر ہے اور ھو کے ہوتے ہوئے عائد کی ضرورت نہیں ہے لفظ اللہ ایسی ذات ہے جو صفات اکرام کی جامع ہے اور احد کے معنی یہ ہیں کہ وہ صفات جلال کا جامع ہے کیونکہ واحد حقیقی وہی ہوتا ہے جو ترکیب وتعدد اور ان کے لوازم جسمیت وتحیز اور مشارکت سے منزہ ہو اور وجوب اور قدرت ذاتیہ اور حکمت تامہ سے متصف ہو جو صفات مقتضی الوہیت ہیں ایک قراءت میں بغیر قل کے صرف **ھو اللہ احد** ہے البتہ **قل یا ایھا الکافرون** میں بالاتفاق قل موجود ہے لیکن تبت کے شروع میں لفظ قل کہنا بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ سورۃ کافرون میں آپ کے دشمنوں سے اظہار بیزاری کیا گیا ہے اور تبت میں آپ کے چچا کو للکارا گیا ہے اس لیئے آپ کی طرف سے چچا کو عتاب آمیز خطاب مناسب نہیں لیکن سورت اخلاص میں توحید ہے جس کا قائل خود بھی حضورؐ کو ہونا چاہیئے اور دوسروں کو بھی دعوت دینی چاہیئے۔

اللہ الصمد۔ **صمد** بمعنی قصد یہاں صمد بمعنی مصمود الیہ ہے فعل بمعنی مفعول جیسے قصص بمعنی مقصوص اور خلق بمعنی مخلوق، صمد بلند مقام سطح مرتفع اور وہ آدمی جسے جنگ میں بھوک پیاس نہ لگتی ہو اور وہ سردار جس کی طرف حاجتوں میں رجوع کیا جائے وہ شخص جس

سے بالاتر کوئی نہ ہو ٹھوس چیز جس میں نہ خول ہو نہ جھول جس سے کوئی چیز نکلتی ہو اور نہ اس میں داخل ہو سکتی ہو.

الـصـمـد. ٹھوس مقصود مرجع ، بیت مصمد ، حاجتوں کا مرجع ، بناء مصمد ، بلند عمارت صـمـده صـمـد الیه صمداً. اس کی طرف جانے کا قصد کیا. الصمد الیه الامر. اس کے آگے معاملہ پیش کر دیا اللہ مقصود مطلق ہے مستغنی مطلق ہے دوسرے سب ہر طرح اس کے محتاج ہیں صمد دراصل ٹھوس پہاڑ کو کہتے ہیں اللہ سے بڑھ کر کون مضبوط ہوگا اور چونکہ مشرکین عرب اللہ کی صمدیت کے قائل تھے اس لیے الصمد معرف باللام لایا گیا برخلاف احدیت کے وہ اس کے قائل نہ تھے اسکو نکرہ لایا گیا ہے اور لفظ اللہ تکرار میں یہ نکتہ ہے کہ جو ان صفات سے متصف نہیں وہ اللہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اللہ فی الحقیقت ایسا جامع لفظ ہے کہ اس کا کوئی صحیح بدل کسی زبان میں نہیں ہے اور ان دونوں جملوں کے درمیان عاطفت نہیں لایا گیا۔ کیونکہ دوسرا جملہ پہلے کا گویا نتیجہ یا دلیل ہے.

لـم یـلـد. اللہ کے اولاد نہیں ہے کیونکہ اولا داول تو ہم جنس ہونی چاہیئے اور واجب الوجود کا ممکن ہم جنس نہیں ہے اور غیر جنس اولاد باعث عیب ہے اور اللہ عیب سے بری ہے دوسرے اولاد اعانت کے لیے ہوتی ہے اللہ اس سے بھی بری ہے تیسرے اولاد باپ کا خلف ہوتی ہے اور اللہ فنا سے پاک ہے کہ اسے خلیفہ کی ضرورت ہو اور لـم یلد ماضی لانے میں یہ نکتہ ہے کہ اس میں مشرکین کا رد ہے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اسی طرح یہود پر رد ہے جو حضرت عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے اور نصاریٰ پر رد ہے جو حضرت مسیح کو ابن اللہ مانتے تھے یا اگلے جملہ لم یو لد کے مطابق کرنے کی وجہ سے لم یلد ماضی لایا گیا ہے.

ولـم یـو لـد. اللہ کسی کی اولاد نہیں کیونکہ اول تو اولاد حادث ہوتی ہے دوسرے وہ محدث کی محتاج ہوتی ہے اور اللہ ان باتوں سے پاک ہے کیونکہ وہ واجب بالذات ہے.

ولم یکن له کفوا احد. یعنی بیوی ہو یا اور ہستی کوئی اس کے برابر نہیں ہے له ظرف کو اہمیت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور کفوا کی ضمیر مستتر سے یہ حال بھی ہو سکتا ہے تیسری ترکیب یہ ہے کہ اس کو خبر بھی بنایا جا سکتا ہے اور کفواً احد. سے حال ہو جائے گا ان تینوں جملوں میں عطف کے ذریعے ربط کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ کی وحدت کے سلسلہ میں اس کے علاوہ چھوٹے بڑے برابر تینوں کی نفی ایک ہی درجہ میں ہے. حمزہؒ ، یعقوبؒ ، نافعؒ نے کفوا تخفیف کے ساتھ اور حفصؒ نے کفوا حرکت اور واو کے ساتھ پڑھا ہے یہ مختصر ترین سورت ہے مگر تمام معارف الٰہیہ کو حاوی ہے اور ملحدین پر رد ہے حدیث میں اس کو ثلث قرآن میں رکھا گیا ہے کیونکہ مقاصد قرآن میں اول عقائد کا درجہ ہے دوسرے احکام کا حصہ ہے تیسرے قصص ہیں پس اس سورت میں عقائد کی بنیاد آگئی اور صاحب کشاف تو اس سورت کو قرآن کے برابر کہہ رہے ہیں پس مقاصد اصلیہ یعنی عقائد اصلیہ کے لحاظ سے یہ بھی صحیح ہے۔

ا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے) هُوَ یہ ضمیر شان ہے۔ اَللّٰهُ اَحَدٌ اور یہ شان ہے کہ اللہ ایک ہے جیسا کہتے ہیں: هو زیدٌ منطلق گویا اس طرح کہا گیا۔ الشان هذا و هو ان الله واحد لاثانی له۔ شان یہ ہے کہ وہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں۔

نحو: هو ابتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور جملہ اس کی خبر ہے اس صورت میں راجع کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ حکم مفرد میں ہے۔ جیسا اس قول میں زیدٌ غلامک اس طرح کہ وہ معنا مبتداً ہے یہ اس طرح نہیں جیسا یہ جملہ زیدٌ ابوہ منطلق کیونکہ اس میں زیدٌ اور جملہ دونوں مختلف دو معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ پس اس کے درمیان ایسی ضمیر چاہیے جو ان کو ملا دے اور وہ ہٗ ہے۔

۲: اَللّٰهُ الصَّمَدُ (اللہ بے نیاز ہے) صَمَد کا وزن فَعَلٌ بمعنی مفعول ہے۔ یہ صمد الیہ سے بنا ہے جبکہ اس کا قصد کریں الصمد ایسا آقا جو حوائج میں مقصود الیہ ہو۔ معنی یہ ہوا۔ وہ اللہ جس کو تم پہچانتے ہو۔ اور اس کا اقرار کرتے ہو کہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ اور تمہارا خالق ہے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہی ذات ہے کہ ہر مخلوق جس کا قصد کرتی ہے اور اس سے کوئی مستغنی نہیں وہ خود ان سب سے غنی ہے۔

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی مشترکہ فضیلت متعدد احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آج کی رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی" یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں سورتیں پڑھیں (صحیح مسلم) ابو حابس جہنی رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابو حابس! کیا میں تمہیں سب سے بہترین تعویذ نہ بتاؤں جس کے ذریعے سے پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں انہیں نے عرض کیا، ہاں ضرور بتلایئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سورتوں کا ذکر کر کے فرمایا یہ دونوں معوذتان ہیں" (صحیح النسائی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں اور جنوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کو معمول بنا لیا اور باقی دوسری چیزیں چھوڑ دیں (صحیح الترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف ہوتی تو معوذتین (قل اعوذ برب الفلق) اور (قل اعوذ برب الناس) پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف زیادہ ہو گئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر پھیرتی (بخاری) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تو جبرائیل علیہ السلام یہی دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علی وسلم پر جادو کیا ہے، اور یہ جادو فلاں کنویں میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ کو بھیج کر اسے منگوایا، (یہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک دانتوں کے اندر گیا گرہیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں) جبرائیل علیہ السلام کے حکم مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونس سورتوں میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھلتی جاتی اور سوئی نکلتی جاتی خاتمے تک پہنچتے پہنچتے ساری گرہیں بھی کھل گئیں اور سوئیاں بھی نکل گئیں آپ صل اللہ علی وسلم اس طرح صحیح ہو گئے جیسے کوئی شخص جکڑ بندی سے آزاد ہو جائے (صحیح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول بھی تھا کہ رات کو سوتے وقت سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونکتے اور پھر انہیں پورے جسم پر ملتے، پہلے سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصے پر ہاتھ پھیرتے، اس کے بعد جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پہنچتے تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے۔ (صحیح بخاری) ایک اور حدیث جس میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بچھو ڈس کیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی اور نمک منگوا کر اس کے اوپر ملا اور ساتھ ساتھ (قل یآیھا الکفرون قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الناس) پڑھتے رہے (احسن البیان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

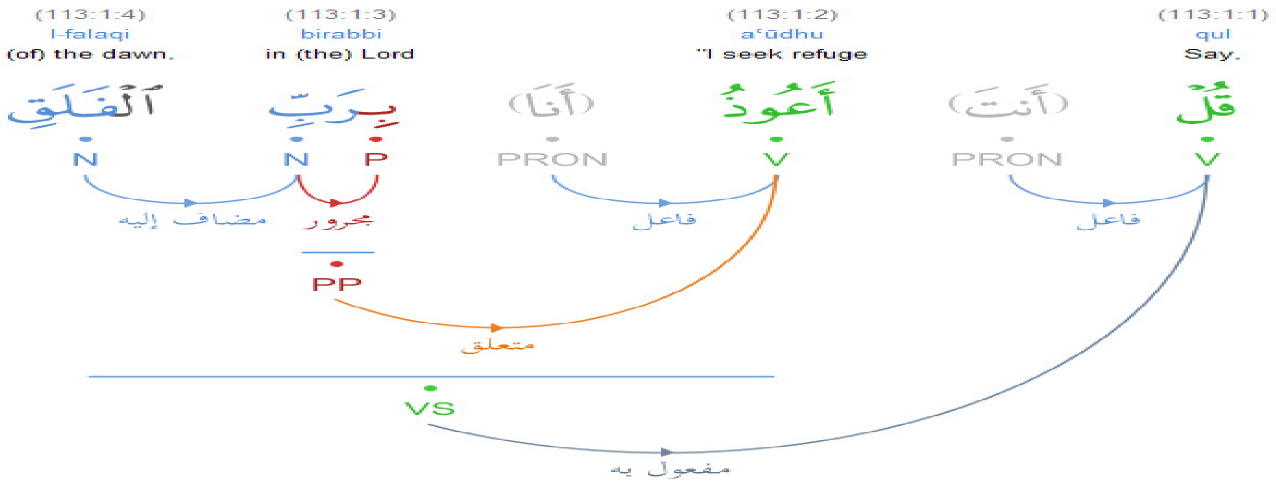

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱)

آپ کہہ دیجئے! کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں

قُلْ: مادہ : ق و ل(اجوف واوی) باب: (ن) زمانہ:امر حاضر صیغہ: واحد مذکر

☆تَفْعُلُ کے وزن پر تَقْوُلُ (اگر حرف علت متحرک ہو اور ماقبل حرف ساکن ہو تو حرف علت کی حرکت ماقبل حرف کو منتقل کرکے حرف علت کو اسی حرکت کے مطابق حرف علت میں بدل دیں گے) تَقُوْلُ سے امر حاضر قُوْلُ (اجوف کے عین کلمہ کے بعد حرف پر اگر علامت سکون ہو خواہ ساکن ہونے کی وجہ سے یا مجزوم ہونے کی وجہ سے تو دونوں صورتوں میں عین کلمہ کا اصلی یا تبدیل شدہ حرف علت گر جاتا ہے) قُلْ اَعُوْذُ: مادہ: ع و ذ(اجوفِ واوی) باب: نَصَرَ(ن) زمانہ: مضارع معروف صیغہ: واحد متکلم

اَعُوْذُ : اصلی شکل:اَعْوُذُ سے تبدیل شدہ شکل اَعُوْذُ جیسے اَنْصُرُ (اگر حرف علت متحرک ہو اور ماقبل حرف صحیح ساکن ہو تو حرف علت کی حرکت ماقبل حرف کو منتقل کرکے حرف علت کو اسی حرکت کے مطابق حرف علت میں بدل دیں گے)

بِرَبِّ الْفَلَقِ : بِ : حرف جار + رَبِّ الْفَلَقِ :مجرور/مرکب اضافی = مرکب جاری

رَبِّ الْفَلَقِ :رَبِّ : مضاف + الْفَلَقِ :مضاف الیہ = مرکب اضافی

اصل میں ''رب الفلق'' استعمال ہوا ہے۔ فلق کے معنی پھاڑنے کے ہیں۔ یعنی وہ رب جو رات کی تاریکی کو پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کرتا ہے۔ (الکتاب)

فلَق کے معنی صبح کے ہیں۔ صبح کی تخصیص اس لئے کی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کا اندھیرا ختم کرکے دن کی روشنی لا سکتا ہے، وہ اللہ اسی طرح خوف اور دہشت کو دور کرکے پناہ مانگنے والے کو امن بھی دے سکتا ہے۔ یا انسان جس طرح رات کو اس بات کا منتظر ہوتا ہے کہ صبح روشنی ہو جائے گی، اسی طرح خوف زدہ آدمی پناہ کے ذریعے سے صبح کامیابی کے طلوع کا امیدوار ہوتا ہے۔ (فتح القدیر) (احسن البیان)

بمعنی صبح کو پھاڑنے اور ظلمت سے الگ کرنے والا۔ اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو رات کی تاریکی سے صبح کی روشنی کو ظاہر کرتا ہے۔ اور حقیقت میں دیکھا جائے تو جو چیز بھی ظہور میں آتی ہے۔ وہ تاریکی اور پردہ غیب سے ہی ظہور میں آتی ہے۔۔۔۔۔ پناہ اس وقت مانگی جاتی ہے جب انسان کو کوئی ایسا خطرہ درپیش ہو جس کی مدافعت کرنے کی وہ اپنے آپ میں ہمت نہ پاتا ہو۔ اور اس ہستی سے پناہ مانگی جاتی ہے جو نہ صرف یہ کہ پناہ مانگنے والے سے زیادہ طاقتور ہو بلکہ اس چیز سے بھی طاقتور ہو جس سے حملہ یا تکلیف کا خطرہ درپیش ہے۔ اور سب سے زیادہ طاقتور اور ظاہری اسباب کے علاوہ باطنی اسباب پر حکمران اللہ کی ذات ہے۔ لہٰذا پناہ صرف اسی سے مانگنی چاہیے۔ (تیسیر القرآن)

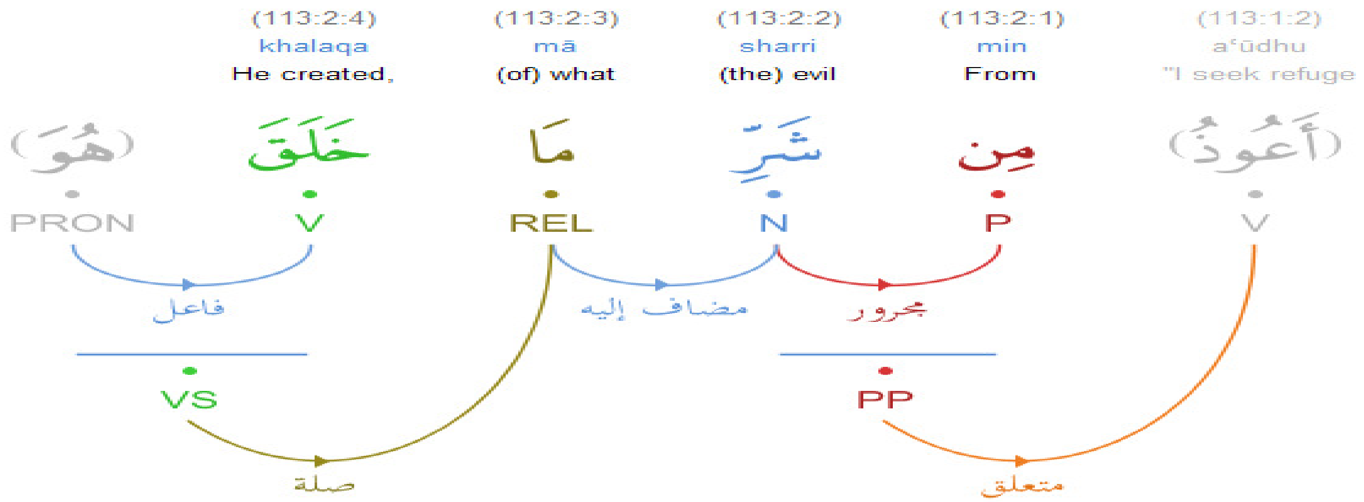

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ (٢)

ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔

»ما« موصول اسمي مضاف إليه.

مِنْ شَرِّ : مِنْ : حرف جار + شَرِّ : مجرور = مرکب جاری

مَا : موصولہ خَلَقَ : مادہ : خ ل ق (فعل صحیح) باب : (ن) زمانہ : ماضی معروف صیغہ: واحد مذکر غائب

یہ عام ہے اس میں شیطان اور اس کی ذریت، جہنم اور ہر اس چیز سے پناہ ہے جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ (احسن البیان)

یعنی ہر ایسی مخلوق جس میں کوئی بدی ہو اس کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں۔ آگے بمناسبتِ مقام چند مخصوص چیزوں کا نام لیا ہے۔ (عثمانی)

جو کچھ کائنات میں موجود ہے وہ سب کچھ اللہ ہی نے پیدا کیا خواہ وہ چیزیں جاندار ہوں یا بے جان۔ اور ہر چیز خواہ کتنی ہی فائدے مند ہو اس کا کچھ نہ کچھ نقصان بھی ہوتا ہے۔ اس آیت میں ہر چیز کے برے یا نقصان دہ پہلو سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کی ہدایت کی گئی ہے خواہ وہ شر وجود میں آچکا ہو یا اس سے کسی شر کے پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ اس آیت میں تو ہر چیز کے شر سے پناہ مانگنے کا عمومیت کے ساتھ ذکر ہے۔ البتہ اگلی تین آیات میں ان چند مخصوص چیزوں کا ذکر ہے جن کا شر بہت واضح ہے۔ (تیسیر القرآن)

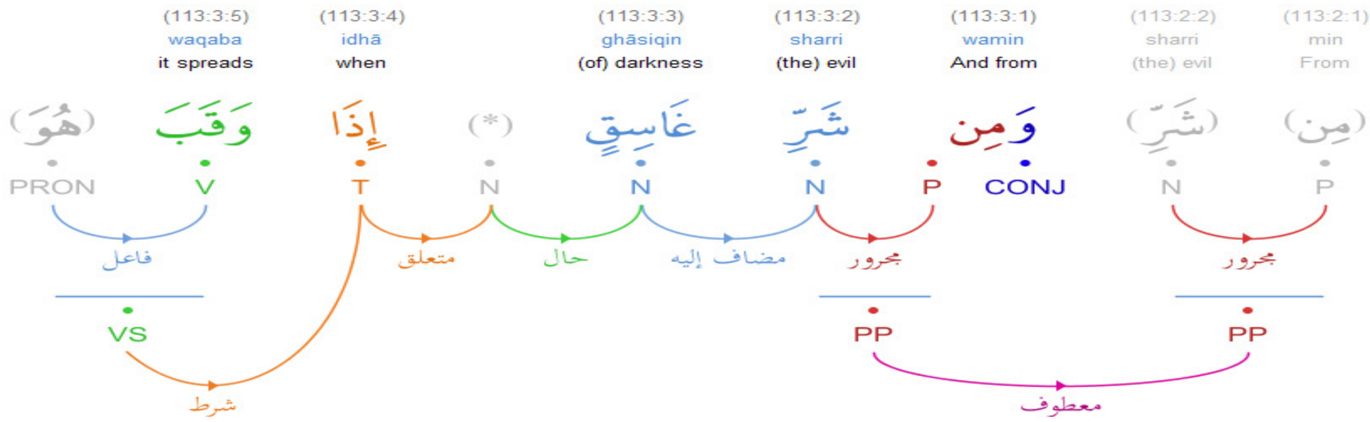

وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (٣)

اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے۔

»إذا» ظرف محض متعلق ب»أَعُوذُ «أي: أعوذ بالله من هذا في وقت كذا.

وَ : واو استئناف الواو عاطفة مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ : مِنۡ :حرف جار + شَرِّ غَاسِقٍ : مجرور/مرکب توصیفی = مرکب اضافی

شَرِّ غَاسِقٍ : شَرِّ : موصوف + غَاسِقٍ : صفت = مرکب توصیفی اِذَا : (جب ماضی میں کوئی کام بار بار ہو تو " اِذَا " آتا ہے) ظرف

زمان وَقَبَ :مادہ : و ق ب (مثال واوی) باب : (ض) زمانہ :ماضی معروف صیغہ:واحد مذکر غائب

یعنی رات کا اندھیرا کہ اس میں اکثر شرور خصوصاً سحر وغیرہ بکثرت واقع ہوتے ہیں، یا چاند کا گہن یا آفتاب کا غروب مراد ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ " اس میں سب تاریکیاں آگئیں ظاہر اور باطن کی اور تنگدستی اور پریشانی اور گمراہی۔" (عثمانی)

جرائم زیادہ تر رات کی تاریکی میں کیے جاتے ہیں:۔غَاسِقٍ۔ غسق بمعنی شفق غائب ہو جانے کے بعد کا اندھیرا۔ اس لحاظ سے غاسق اس ابتدائی رات کو کہتے ہیں کہ جب وہ تاریک ہونے لگتی ہے اور وقب کسی چٹان وغیرہ میں گڑھے کو کہتے ہیں اور وَقَبَ بمعنی گڑھے میں داخل ہو کر غائب ہو جانا اور وَقَبَ الظَّلَامُ بمعنی اتنی تاریکی چھانا جس کے اندر اشیاء غائب ہو جائیں اور تاریک رات کے شر سے پناہ مانگنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر گناہ کے کام رات کی تاریکیوں میں کیے جاتے ہیں۔ چوری، ڈاکہ، لوٹ مار، زنا وغیرہ کے مجرم عموماً رات کی تاریکیوں میں ہی ایسے کام کرتے ہیں۔ اور عرب قبائل میں تو دستور ہی یہ تھا کہ جب کسی قبیلے پر لوٹ مار کرنا ہوتی تو رات میں سارا سفر ختم کر لیتے اور صبح کی روشنی نمودار ہوتے ہی لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے تھے۔ (تیسیر القرآن)

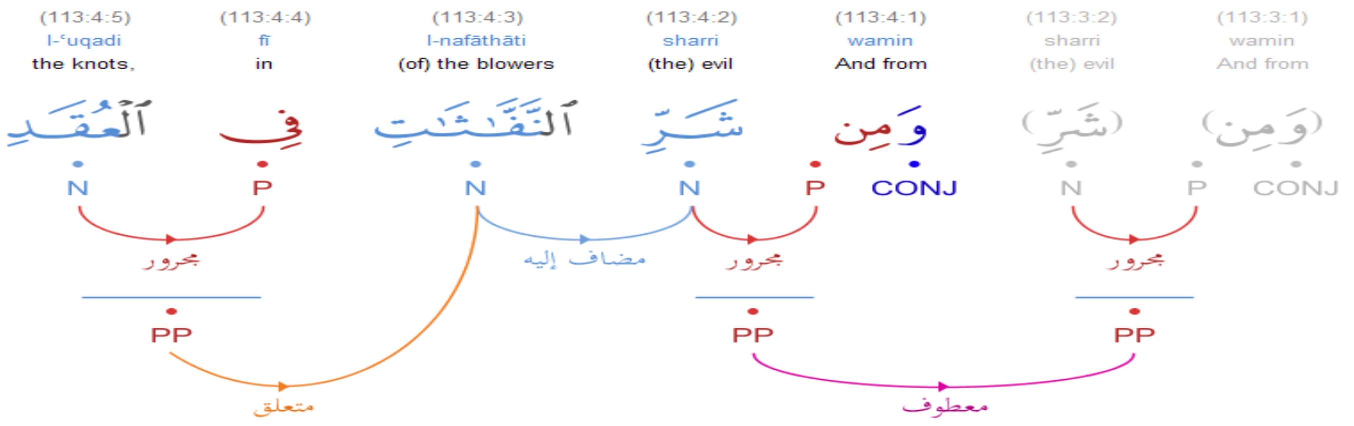

وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ (۴)

اور گرہ (لگا کر ان) میں پھونکنے والیوں کے شر سے (بھی)

الجار «في العقد» متعلق ب«النفاثات.»

وَ :واو استیناف الواو عاطفة مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ : مِنۡ :حرف جار + شَرِّ النَّفّٰثٰتِ :مجرور/مرکب اضافی = مرکب جاری

شَرِّ النَّفّٰثٰتِ :شَرِّ: اسم مجرور مضاف + النَّفّٰثٰتِ : اسم مجرور مضاف الیہ = مرکب اضافی

فِی الۡعُقَدِ : فِیۡ :حرف جار + الۡعُقَدِ : مجرور = مرکب جاری

النفاثات، مونث کا صیغہ ہے، جو النفوس (موصوف محذوف) کی صفت ہے من شر النفوس النفاثات یعنی گرہوں میں پھونکنے والے نفسوں کی برائی سے پناہ اس سے مراد جادو کا کالا عمل کرنے والے مرد اور عورت دونوں ہیں یعنی اس میں جادو گروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے، جادو گر پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے اور گرہ لگاتے جاتے ہیں۔ عام طور پر جس پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے اس پر یہ عمل کیا جاتا ہے۔ (احسن البیان)
نفاثات فی العقد سے وہ عورتیں یا وہ جماعتیں یا وہ نفس مراد ہیں جو ساحرانہ عمل کرنے کے وقت کسی تانیت یا رسی یا بال وغیرہ میں کچھ پڑھ کر اور پھونک مار کر گرہ لگایا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سحر لبید بن اعصم نے کیا تھا، لکھا ہے کہ بعض لڑکیاں بھی اس میں شریک تھیں واللہ اعلم۔ (عثمانی)

آپ پر جادو:۔ گرہ میں پھونکیں مارنے کا کام عموماً جادو گر کیا کرتے ہیں اور جو لوگ بھی موم کے پتلے بنا کر اس میں سوئیاں چبھوتے ہیں اور کسی کے بال حاصل کر کے ان میں گرہیں لگاتے اور پھونکیں مارتے جاتے ہیں سب جادو گروں کے حکم میں داخل ہیں۔ اور ہمارے ہاں ایسے لوگوں کو جادو گر نہیں عامل کہا جاتا ہے۔ اور جادو کرنا صریحاً کفر کا کام ہے۔ جیسے سورت بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۲ میں یہ صراحت موجود ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جادو چونکہ کفر کا کام ہے۔ اس لیے جادو کا اثر کسی ایماندار یا مومن پر نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کیا گیا تھا اور اس جادو کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اثر بھی ہو گیا تھا۔ اور یہ بات اتنی احادیث صحیحہ میں مذکور ہے جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں لہٰذا یہ حضرات اپنے اس نظریہ کے مطابق ایسی تمام احادیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم پہلے یہاں بخاری سے ایک حدیث درج کرتے ہیں پھر ان کے اعتراضات کا جائزہ پیش کریں گے۔
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ سے واپس لوٹے تو آپ پر جادو کیا گیا جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام کر رہے ہیں حالانکہ وہ کر نہیں رہے ہوتے تھے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز دعا کی (کہ اللہ اس جادو کا اثر زائل کر دے) پھر فرمانے لگے: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! تجھے معلوم ہوا کہ اللہ نے مجھے وہ تدبیر بتا دی جس سے مجھے اس تکلیف سے شفا ہو جائے۔ ہوا یہ کہ (خواب میں) دو آدمی میرے پاس آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پائنتی کی طرف۔ ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا: ''اس شخص کو کیا تکلیف ہے؟'' دوسرے نے کہا اس پر جادو کیا گیا ہے'' پہلے نے پوچھا: ''کس نے جادو کیا ہے؟'' دوسرے نے جواب دیا: ''لبید بن اعصم (یہودی) نے'' پہلے نے پوچھا: ''کس چیز میں جادو کیا؟'' دوسرے نے جواب دیا۔ ''کنگھی اور آپ کے بالوں اور نر کھجور کے خوشے کے پوست میں'' پہلے نے پوچھا: ''یہ کہاں رکھا ہے؟'' دوسرے نے جواب دیا: ''ذروان کے کنوئیں میں'' غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں پر تشریف لے گئے جب وہاں سے پلٹے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اس کنوئیں کے درخت ایسے ڈراؤنے ہو گئے تھے جیسے ناگوں کے پھن ہوں'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (یعنی جادو کے سامان کو) نکالا کیوں نہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ نے اچھا کر دیا۔ اب میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ لوگوں میں ایک جھگڑا کھڑا کر دوں'' پھر وہ کنواں مٹی ڈال کر بھر دیا گیا۔ (بخاری۔ کتاب بدء الخلق باب صفۃ ابلیس وجنودہ) اور بخاری کی دوسری روایت جو کتاب الادب میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے نہیں بلکہ چند صحابہ کے ساتھ اس کنوئیں پر گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جادو کی اشیاء کنوئیں سے نکلوائی تھیں نیز یہ کہ اس کنوئیں کا پانی جادو کے اثر سے مہندی کے رنگ جیسا سرخ ہو گیا تھا۔ (بخاری۔ کتاب الادب، باب ان اللہ یامر بالعدل والاحسان) اور بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) لبید بن اعصم ایک ماہر جادو گر تھا۔
۲۔ لبید کی دو لڑکیاں بھی جادو گری کے فن میں ماہر تھیں۔ ان لڑکیوں نے ہی کسی طریقہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال حاصل کر کے ان میں گرہیں لگائی تھیں۔
۳۔ ذروان کنوئیں سے جو اشیاء برآمد کی گئیں۔ ان میں کنگھی اور بالوں میں ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور ایک موم کا پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں۔ جبریل نے آ کر بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معوذتین پڑھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور اس کے ساتھ ایک ایک گرہ کھولی جاتی اور پتلے میں سے ایک ایک سوئی نکالی جاتی رہی۔ خاتمہ تک پہنچتے ہی ساری گرہیں کھل گئیں کیونکہ ان دونوں سورتوں کی گیارہ ہی آیات ہیں۔ اور ساری سوئیاں نکل گئیں اور آپ جادو کے اثر سے نکل کر یوں آزاد ہو گئے جیسے کوئی بندھا ہوا شخص کھل گیا ہو۔
۴۔ لبید بن اعصم کو پوچھا گیا تو اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

ان احادیث پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ نبی پر جادو نہیں ہو سکتا یعنی اگر کوئی کرے بھی تو اس کا اثر نہیں ہوتا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نبی پر جادو کا اثر ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ فرعون کے جادو گروں نے جب ہزار ہا لوگوں کے مجمع میں اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں اور وہ سانپ بن کر دوڑنے لگیں تو اس دہشت کا اثر موسیٰ علیہ السلام کے دل پر ہو گیا تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ) 51-الذاریات:28) موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے تو ہم نے (بذریعہ وحی) کہا: موسیٰ ڈرو نہیں، تم ہی غالب رہو گے۔

چند اعتراضات اور ان کے جواب:۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر نبی پر جادو کا اثر تسلیم کر لیا جائے تو شریعت ساری کی ساری ناقابل اعتماد ٹھہرتی ہے۔ کیا معلوم کہ نبی کا فلاں کام وحی کے تحت ہوا تھا یا جادو کے زیر اثر؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ میں (جنگ خیبر اور صلح حدیبیہ کے بعد) پیش آیا۔ جبکہ یہودی ہر میدان میں پٹ چکے تھے۔ پہلے خیبر کے یہودی ایک سال جادو کرتے رہے جس کا خاک اثر نہ ہوا۔ پھر وہ مدینہ میں لبید بن اعصم کے پاس آئے جو سب سے بڑا جادو گر تھا اور اس کی بیٹیاں اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھیں۔ انہوں نے بڑا سخت قسم کا جادو کیا۔ اس کا بھی چھ ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بعد میں اس کے اثرات نمایاں ہونے شروع ہوئے۔ تاہم اس کا اثر محض آپ کے ذاتی افعال تک محدود تھا۔ یعنی آپ یہ سوچتے کہ میں فلاں کام کر چکا ہوں جبکہ کیا نہیں ہوتا تھا۔ یہ ذہنی کوفت آپ کو چالیس دن تک رہی۔ بعد میں اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفایاب ہو گئے۔ اب دیکھیے یہ بات واضح ہے کہ اس وقت تک قرآن نصف سے زیادہ نازل ہو چکا تھا۔ اہل عرب اس وقت دو گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک مسلمان اور ان کے حلیف، دوسرے مسلمانوں کے مخالفین، اگر اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر شریعت میں اثر انداز ہوتا، یعنی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ہی نہ پڑھاتے۔ یا ایک کے بجائے دو بار پڑھا دیتے یا قرآن کی آیات خلط ملط کر کے یا غلط سلط پڑھ دیتے یا کوئی اور کام منزل من اللہ شریعت کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرزد ہو جاتا تو دوست و دشمن سب میں یعنی پورے عرب میں اس کی دھوم مچ جاتی۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں ایک بھی ایسی روایت نہیں ملتی جس میں یہ اشارہ تک بھی پایا جاتا ہو کہ اس اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی اعمال و افعال میں کبھی حرج واقع ہوا ہو۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ کفار کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ انبیاء کو یا تو جادو گر کہتے تھے اور یا جادو زدہ (مسحور) اب اگر ہم خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو اور اس کی اثر پذیری تسلیم کر لیں تو گویا ہم بھی کفار کے ہم نوا بن گئے۔ یہ اعتراض اس لیے غلط ہے کہ کفار کا الزام یہ ہوتا تھا کہ نبی نے اپنی نبوت کے دعویٰ کا آغاز ہی جادو کے اثر کے تحت کیا ہے اور جو کچھ یہ قیامت، آخرت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے افسانے سناتا ہے۔ یہ سب کچھ جادو کا اثر یا پاگل پن کی باتیں ہیں۔ گویا وہ نبوت اور شریعت کی تمام تر عمارت کی بنیاد جادو قرار دیتے تھے لیکن یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بیس سال بعد پیش آتا ہے جبکہ آدھا عرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور احکام شریعت کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتا تھا۔ پھر یہ واقعہ احکام شریعت پر چنداں اثر انداز بھی نہیں ہوا البتہ اس واقعہ سے اس کے برعکس یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے۔ کہ آپ ہرگز جادو گر نہ تھے۔ کیونکہ جادو گر پر جادو کا اثر نہیں ہوتا۔

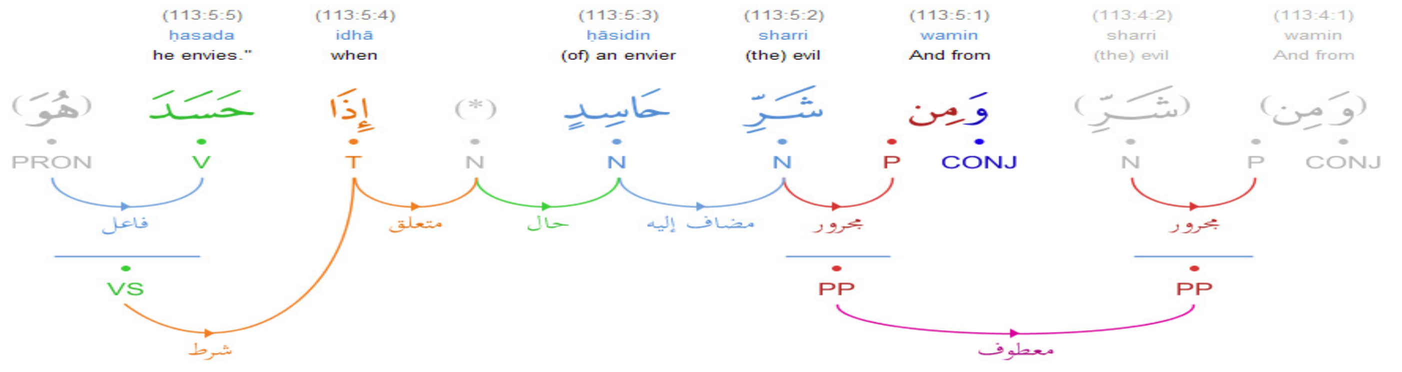

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (۵)

اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے۔

»إذا» ظرف محض متعلق بـ»أعُوذُ.«

وَ : واو استیناف مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ : مِنۡ :حرف جار + شَرِّحَاسِدٍ: مجرور/مرکب اضافی = مرکب جاری

شَرِّحَاسِدٍ:شَرِّ: مضاف +حَاسِدٍ:مضاف الیہ /اسم الفاعل = مرکب اضافی

حَاسِدٍ: مادہ :ح س د باب : مجرد حالت:جر / بوجہ مضاف الیہ اِذَا : (جب ماضی میں کوئی کام بار بار ہو تو " اِذَا " آتا ہے)

حَسَدَ:مادہ : ح س د (فعل صحیح) باب : (ن/ض) زمانہ :ماضی معروف صیغہ:واحد مذکر غائب

الإعراب :
بربّ متعلّق بـ *أعوذ* ، *من شرّ* متعلّق بـ *أعوذ* في المواضع الأربعة *ما* اسم موصول في محلّ جرّ مضاف إليه أو حرف مصدريّ ، والخلق بمعنى المخلوق ، أو بمعنى الإبداع ... قاله العكبريّ، والعائد محذوف *إذا* ظرف في محلّ نصب مجرّد من الشرط متعلّق بالمصدر *شرّ غاسق* ، *في العقد* متعلّق بـ *النفّاثات* ، *إذا* مثل الأول متعلّق بالمصدر *شر حاسد* ..
جملة : « قل ... » لا محلّ لها ابتدائيّة.
وجملة : « أعوذ ... » في محلّ نصب مقول القول.
وجملة : « خلق ... » لا محلّ لها صلة الموصول *ما*.
وجملة : « وقب ... » في محلّ جرّ مضاف إليه.
وجملة : « حسد ... » في محلّ جرّ مضاف إليه.
الصرف :
1 الفلق : اسم بمعنى الصبح « 1 » ، وزنه فعل بفتحتين.
3 غاسق : اسم فاعل من الثلاثيّ غسق أي أظلم ، وزنه فاعل وهو الليل « 2 » .
4 النفّاثات : جمع النفّاثة مؤنّث النفّاث ، مبالغة اسم الفاعل أي النافخات في العقد للسحر ، مأخوذ من الثلاثيّ نفث باب نصر وباب ضرب ، وزنه فعّال.
5 حاسد : اسم فاعل من الثلاثيّ حسد ، وزنه فاعل.

حسد یہ ہے کہ حاسد، محسود سے زوال کی نعمت کی آرزو کرتا ہے چنانچہ اس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے کیونکہ حسد بھی ایک نہایت بری اخلاقی بیماری ہے جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔ (احسن البیان)

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ " اس وقت اس کی ٹوک لگ جاتی ہے۔ بیشک ٹوک یا نظر لگ جانا ایک امر واقع ہے۔" لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک " ومن شر حاسد اذا حسد" کا مطلب یہ ہے کہ حاسد جب اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے، اس کی بدی سے پناہ مانگنا چاہئے۔ اگر ایک شخص کے دل میں بے اختیار حسد پیدا ہو مگر وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر محسود کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کرے وہ اس سے خارج ہے۔ نیز یاد رکھنا چاہیے کہ حسد کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے سے اللہ کی دی ہوئی نعمت کے زوال کا متمنی ہو۔ باقی یہ آرزو کرنا کہ مجھے بھی ایسی نعمت یا اس سے زائد عطا ہو جو فلاں کو عطا ہوئی ہے۔ حسد میں داخل نہیں۔ اس کو "غبطہ" کہتے ہیں۔ بخاری کی حدیث "لاحسد الا فی اثنتین الخ" میں لفظ "حسد" سے یہی غبطہ مراد ہے۔ (عثمانی)

یعنی جب وہ حسد کی بناء پر ایذا رسانی کی کوشش کرے۔ (الکتاب)

اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اس جیسی نعمت مجھے بھی اللہ عطا کر دے تو یہ حسد نہیں بلکہ رشک ہے جسے عربی زبان میں (غِبطہ) کہتے ہیں اور یہ جائز ہے۔ حاسد سے پناہ اس صورت میں مانگی گئی ہے جب وہ حسد کرے اور حسد کی بنا پر کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ اس سے پہلے وہ محسود کے لیے ایسا شر نہیں بنتا کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔ وہ اپنے طور پر اندر ہی اندر جلتا ہے تو جلتا رہے۔ اسے اپنے اس عمل کی یہی سزا کافی ہے۔ (تیسیر القرآن)

نَزَلَتْ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ بَعْدَهَا لَمَّا سَحَرَ لَبِيْدُ الْيَهُوْدِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وِتْرٍ بِهٖ اِحْدٰى عَشْرَةَ عُقْدَةً فَاَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ وَبِمَحَلِّهٖ فَاُحْضِرَ بَيْنَ يَدَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمِرَ بِالتَّعَوُّذِ بِالسُّوْرَتَيْنِ فَكَانَ كُلَّمَا قَرَاَ اٰيَةً مِّنْهُمَا انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَّوَجَدَ خِفَّةً حَتّٰى انْحَلَّتِ الْعُقَدُ كُلُّهَا وَقَامَ كَاَنَّمَا نَشِطَ مِنْ عِقَالٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ الصُّبْحِ **مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾** مِنْ حَيَوَانٍ مُكَلَّفٍ وَغَيْرِ مُكَلَّفٍ وَجَمَادٍ كَالسَّمِّ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾** اَيِ اللَّيْلُ اِذَا اَظْلَمَ اَوِ الْقَمَرُ اِذَا غَابَ **وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ** السَّوَاحِرِ تَنْفُثُ **فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾** الَّتِيْ تَعْقِدُهَا فِي الْخَيْطِ تَنْفُخُ فِيْهَا بِشَيْءٍ تَقُوْلُهٗ مِنْ غَيْرِ رِيْقٍ وَقَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ مَعَهٗ كَبَنَاتِ لَبِيْدِ الْمَذْكُوْرِ **وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾** ع ۱
اَظْهَرَ حَسَدَهٗ وَعَمِلَ بِمُقْتَضَاهُ كَلَبِيْدِ الْمَذْكُوْرِ مِنَ الْيَهُوْدِ الْحَاسِدِيْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذِكْرُ الثَّلَاثَةِ الشَّامِلُ لَهَا مَا خَلَقَ بَعْدَهٗ لِشِدَّةِ شَرِّهَا

ترجمہ: .... سورۂ فلق مکیہ یا مدینہ ہے جس میں پانچ آیات ہیں۔ یہ سورت اور اس کے بعد کی اُس وقت نازل ہوئیں۔ جب کہ لبید نامی یہودی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کردیا۔ ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سحر اور اس کے مقام سے باخبر فرمادیا۔ تب وہ چیزیں آپ کے سامنے لا حاضر کی گئیں اور حضور کو ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ حاصل کرنے کو فرمایا گیا۔ چنانچہ جب آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک آیت پڑھتے تو گرہ کھل جاتی اور آپ کی طبیعت ہلکی ہو جاتی۔ حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں تو آپ ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے بندھن کھل گئے ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ آپ کہئے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی تمام مخلوق کے شر سے (خواہ حیوان مکلّف ہو یا غیر مکلّف یا جمادات زہر وغیرہ ہوں) اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے (یعنی رات جب اندھیری ہو جائے یا چاند جب غائب ہو جائے) اور گرہوں پر پڑھ کر پھونکنے والیوں (جادوگرنیوں کی جھاڑ پھونک) کے شر سے (جو ڈوروں میں گرہیں باندھ کر کچھ پڑھ کر بغیر تھوک کے پھونکتی ہیں۔ زمخشریؒ نے اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے جیسے: لبید مذکور کی لڑکیاں) اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (اپنے حسد کو ظاہر کردے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنے لگے۔ جیسے: حاسد یہودیوں میں سے لبید مذکور نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا اور یہ تینوں چیزیں اگرچہ ماخلق میں داخل تھیں۔ مگر اس کی شدتِ شر کی وجہ سے ان کو بعد میں الگ ذکر کیا ہے۔)

تحقیق وترکیب:.......... **قل اعوذ. تعوذ** کے معنی پناہ جوئی کے ہیں۔ سورۂ فلق اور سورۂ ناس دونوں سورتوں کو معوذ تین اسی لیے کہتے ہیں کہ ان میں تعوذ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ تعویذ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔

الفق. فلق بمعنی خرق پھٹنا فعل مفعول اس کا اطلاق [illegible] کائنات پر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ عدم کو پھاڑ کر وجود میں آتی ہے۔ گویا عدم تاریکی ہے اور وجود ایک نور ہے تو ظلمت کو پھاڑ دیتا ہے۔ بالخصوص ان چیزوں پر فلق کا اطلاق ہوتا ہے جو کسی اصل سے نکلتی ہیں۔ جیسے: چشمے بارش، نباتات، اولاد۔ لیکن عرف میں صبح کے ساتھ مزید تخصیص ہوگئی ہے۔ کیونکہ صبح کو حالات میں تغیر ہو جاتا ہے اور رات کی تاریکی کی وحشت نور صبح سے مسرت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جس طرح قبروں سے قیامت کے لیے اٹھنا ہوگا۔ اس کا منظر سو کر صبح اٹھنے والے پیش کرتے ہیں۔ گویا صبح قیامت کا ایک نمونہ ہوتی ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ عالم پر چھایا ہوا رات کا اندھیرا جو ہستی دُور کرسکتی ہے۔ وہ پناہ چاہنے والے کے خوف وخطر کو بھی دور کرسکتی ہے اور لفظ رب دوسرے اسماء کے مقابلے میں زیادہ لطافت رکھتا ہے کیونکہ مضرت سے بچانا بھی تربیت ہے۔

من شر ماخلق. عالم کی دو قسمیں ہیں عالمِ امر عالم خلق ''**الا له الخلق و الامر**'' عالمِ امر تو خیر ہی خیر ہے۔ اس میں شر کا نام ونشان نہیں۔ البتہ عالم خلق میں خیر بھی پایا جاتا ہے اور شر بھی جہاں تک شر اختیاری کا تعلق ہے وہ کبھی لازمی ہوتا ہے جیسے کفر اور کبھی متعدی جیسے ظلم۔ اور کبھی شر طبعی ہوتا ہے جیسے آگ کا محرق اور زہر کا مہلک ہونا۔ پس **ماخلق** کی تخصیص اسی لیے ہے کہ شر اسی میں منحصر ہے۔ عالمِ امر شر سے خارج ہے۔

من شر غاسق. غسق کے معنیٰ امتلاء اور بھرنے کے ہیں۔ **غسقت العین** آنسوؤں سے آنکھ ڈبڈبا گئی اور بعض نے غسق کے معنیٰ سیلان کے لیے ہیں۔ **غسق العین** کے معنیٰ آنکھ بہنے کے ہیں۔ بہرصورت یہاں رات کا سخت تاریک ہونا مراد ہے۔

اذا وقب. وقب کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کے اندر اندھیری گھس جائے جیسے گھٹاٹوپ اندھیرا کہتے ہیں۔

ماخلق کے بعد رات اندھیری کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس میں نقصان زیادہ ہوتا ہے اور اس کا دفعیہ بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ مشہور ہے۔ **اللیل اخفیٰ الاویل** اور بعض نے غاسق سے چاند مراد لیا ہے کہ کسوف کے بعد تاریک ہو جاتا ہے اور غاسق سے وہ چیزیں بھی مراد ہوسکتی ہیں۔ جو نُور سے خالی ہوں۔ جیسے: قوئے نفسانیہ جو باعثِ انکشاف ہونے کی وجہ سے نُور کے مشابہ ہیں اور نور سے خالی ہونے کی مثال جیسے: معدنیات۔

ومن شر النّفّٰثٰت. نفاثات سے نفوس مراد ہیں۔ نفاثہ علامہ کی طرح ہے اور اگر مؤنث کے لیے مانا جائے تو جادوگرنیاں مراد ہیں۔ جو گنڈوں میں جھاڑ پھونک کر کر ہیں لگاتی ہیں۔ نفث وہ پھونک جس میں کچھ تھوک بھی شامل ہو اور نفاثات سے نباتات بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ گویا ان کے طول وعرض وعمق میں پڑھنے کو نفث سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عقد. جمع ہے **عقدة** کی جس کے معنیٰ گرہ کے ہیں۔

اور عام شر کے بعد اس شر کی تخصیص شان نزول کی وجہ سے ہے۔ یعنی جو واقعہ حضورؐ پر جادو کرنے کا پیش آیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہو جانا کمال کے منافی نہیں ہے۔ جیسے اور حوادث وامراض ونقصانات کا پیش آجانا منافی کمال نہیں ہے۔ نیز اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کافر جو حضورؐ پر مسحور ہونے کا الزام لگاتے تھے وہ اس میں سچے نکلے۔ کیونکہ ان کا مقصد جنون کی صورت میں آپؐ کا مسحور ہونا تھا اور وہ الزام غلط ہے۔ اور بعض نے ''**نفّٰثٰت فی العقد**'' کے یہ معنی لیے ہیں کہ مکار عورتیں جو مردوں کے عزائم فیل کر دیتی ہیں اور اپنی حیلہ سازی سے اپنے ارادے میں ناکام بنادیتی ہیں۔ نفث عقدہ سے ماخوذ ہے تھوک لگا کر گرہ کو نرم دینا جس سے اس کا کھلنا سہل ہو جائے اور نفاثات کو علیحدہ معرفہ کے ساتھ لانا اس لیے ہے کہ ہر نفاثہ شریر چالاک ہوتی ہے بخلاف ہر غاسق وحاسد کے۔

ومن شر حاسدٍ اذا حسد. شر ما خلق کے بعد اس کی تخصیص اس لیے ہے کہ حسد کا نقصان سب سے زیادہ ہے

انسان ہی نہیں بلکہ جانوروں وغیرہ کو بھی حسد کا نقصان پہنچ جاتا ہے اور اذا حسد کی قید اس لیے لگائی کہ محسود کو اسی وقت حسد کا ضرر ہوتا ہے۔ جب کہ حاسد اس کے مقتضیٰ پر عمل کرے۔ ورنہ حاسد کا اپنا نقصان تو بہر صورت ہے کہ وہ حسد کی آگ میں بھنتا رہتا ہے اور ناسُور کی طرح سُلگتا رہتا ہے اور حاسد سے جانور بھی مراد ہو سکتے ہیں جو دوسرے جانوروں کو ستاتے رہتے ہیں۔

ربط آیات :............سورہ والضحیٰ میں تمہیدی طور پر جن مہمات کا ذکر ہوا ہے ان میں اللہ پر توکل اور اس سے پناہ جوئی ہے۔ اور دلائل نبوت۔ بیہقی میں ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ساتھ ہی نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان دونوں سورتوں کا نام معوذتین رکھا گیا ہے۔ ان کے مضامین بھی ایک دوسرے سے قریبی مناسبت رکھتے ہیں۔ تاہم یہ دونوں سورتیں الگ الگ ہیں اور مصحف عثمانی میں الگ الگ ناموں سے لکھی ہوئی ہیں۔ پہلی سورت جس میں پانچ آیات ہیں۔ دنیاوی مضرات سے استعاذہ کیا گیا ہے اور دوسری سورت جس میں چھ آیات ہیں۔ دینی مضرتوں سے استعاذہ کا بیان ہے۔ اس طرح تمام شرور سے استعاذ اور اللہ پر توکل کی تعلیم ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

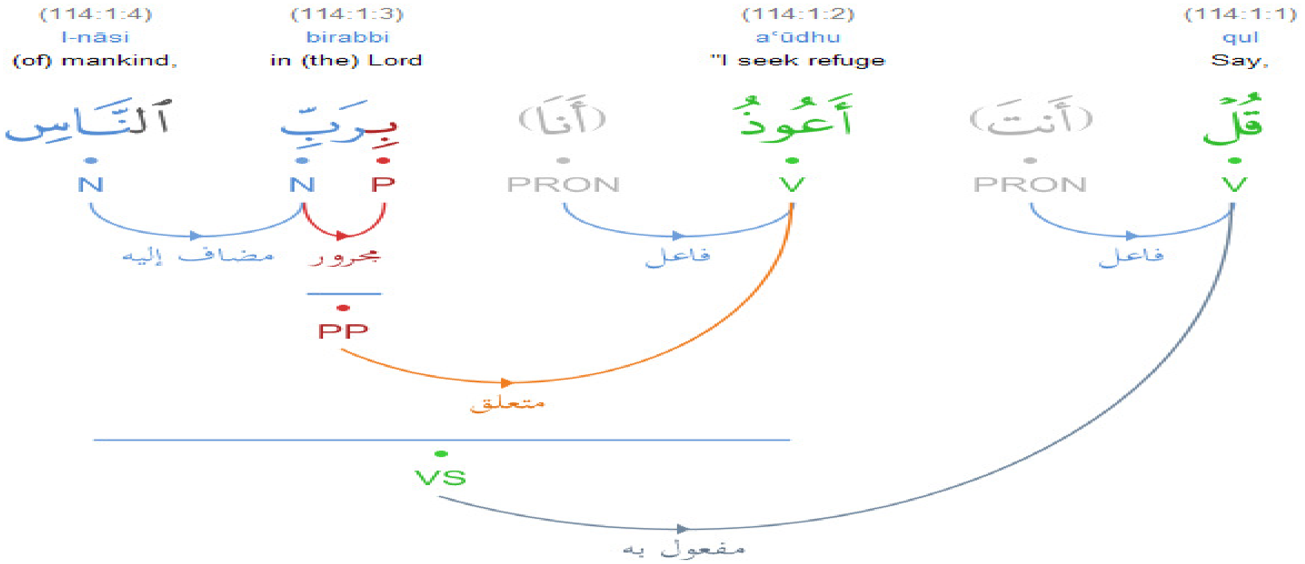

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱)

آپ کہہ دیجئے ! کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں۔

قُلۡ: مادہ : ق و ل(اجوف واوی) باب: (ن) زمانہ:امر حاضر صیغہ: واحدمذکر

☆تَفۡعُلُ کے وزن پرتَقۡوُلُ (اگر حرف علت متحرک ہو اور ماقبل حرف ساکن ہو تو حرف علت کی حرکت ماقبل حرف کو منتقل کرکے حرف علت کو اسی حرکت کے مطابق حرف علت میں بدل دیں گے) تَقُوۡلُ سے امر حاضر قُوۡلُ (اجوف کے عین کلمہ کے بعد حرف پر اگر علامت سکون ہو خواہ ساکن ہونے کی وجہ سے یا مجزوم ہونے کی وجہ سے تو دونوں صورتوں میں عین کلمہ کا اصلی یا تبدیل شدہ حرف علت گر جاتا ہے) قُلۡ اَعُوۡذُ : مادہ: ع و ذ(اجوفِ واوی) باب:(ن) زمانہ: مضارع معروف صیغہ: واحد متکلم

اَعُوۡذُ : اصلی شکل: اَعۡوُذُ سے تبدیل شدہ شکل اَعُوۡذُ جیسے اَنۡصُرُ (اگر حرف علت متحرک ہو اور ماقبل حرف صحیح ساکن ہو تو حرف علت کی حرکت ماقبل حرف کو منتقل کرکے حرف علت کو اسی حرکت کے مطابق حرف علت میں بدل دیں گے)

بِرَبِّ النَّاسِ : بِ : حرف جار + رَبِّ النَّاسِ : مجرور/مرکب اضافی = مرکب جاری

رَبِّ النَّاسِ: رَبِّ : مضاف + النَّاسِ : مضاف الیہ = مرکب اضافی

رب (پروردگار) کا مطلب ہے جو ابتدا سے ہی جب کہ انسان ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے اس کی تدبیر واصلاح کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ بالغ عاقل ہو جاتا ہے پھر وہ یہ تدبیر چند مخصوص افراد کے لیے نہیں، بلکہ تمام انسانوں کے لیے کرتا ہے اور تمام انسانوں کے لیے ہی نہیں، بلکہ اپنی تمام مخلوقات کے لیے کرتا ہے، یہاں صرف انسانوں کا ذکر انسان کے اس شرف افضل کے اظہار کے لیے ہے جو تمام مخلوقات پر اس کو حاصل ہے۔ (احسن البیان)

خالق، پرورش کنندہ، مالک، حکمران، معبود حقیقی اور پناہ دہندہ، اس میں اللہ تعالیٰ عزوجل کی تین صفتیں بیان ہوئی ہیں، پالنے اور پرورش کرنے کی، مالک اور شہنشاہ ہونے کی، معبود اور لائق عبادت ہونے کی تمام چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اسی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں مشغول ہیں، پس وہ حکم دیتا ہے کہ ان پاک اور برتر صفات والے اللہ کی پناہ میں آ جائے جو بھی پناہ اور بچاؤ کا طالب ہو۔ (ابن کثیر)

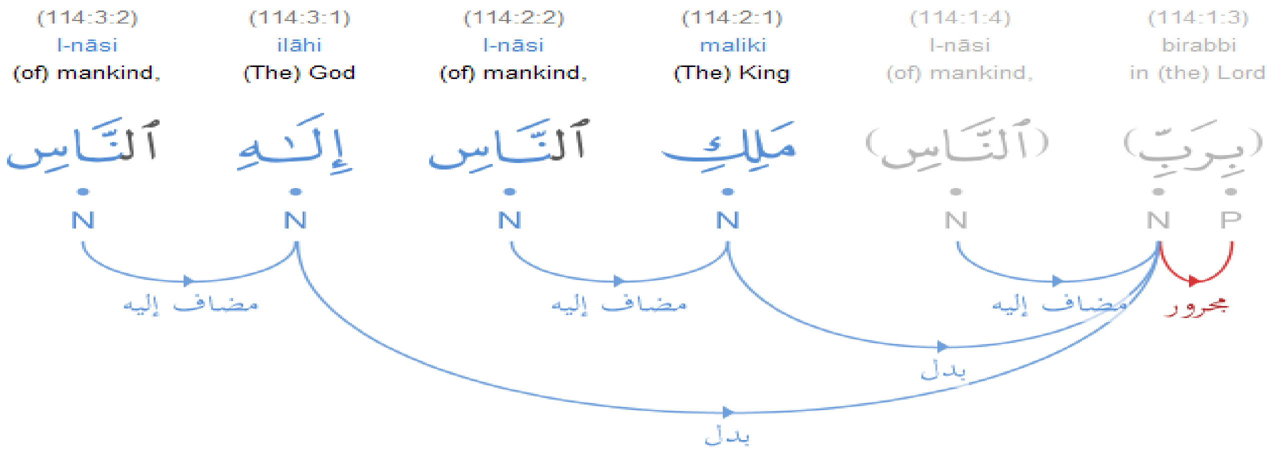

مَلِكِ النَّاسِ (۲)

لوگوں کے مالک کی

«ملك» بدل من «رب.»

مَلِكِ النَّاسِ : مَلِكِ اسم مجرور: مضاف + النَّاسِ اسم مجرور: مضاف الیہ = مرکب اضافی

جو ذات، تمام انسانوں کی پرورش اور نگہداشت کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی بھی اسی کے پاس ہو۔ (احسن البیان)

إِلَٰهِ النَّاسِ (۳)

لوگوں کے معبود کی (پناہ میں)

«إله» بدل من« مَلِكِ.»

إِلَٰهِ النَّاسِ : إِلَٰهِ : اسم مجرور مضاف + النَّاسِ اسم مجرور :مضاف الیہ = مرکب اضافی

اگرچہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اور بادشاہت وغیرہ تمام مخلوقات کو شامل ہے، لیکن ان صفات کا جیسا کامل ظہر انسانوں میں ہوا، کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہوا۔ اس لئے "رب" اور "ملکِ" وغیرہ کی اضافت ان ہی کی طرف کی گئی۔ نیز وسواس میں مبتلا ہونا بجز انسان کے دوسری مخلوق کی شان بھی نہیں۔ (عثمانی)

یہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ اس کی تین صفتوں کے واسطے سے چاہی گئی ہے۔ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ تینوں صفتیں اللہ تعالیٰ کے ان بنیادی حقوق کو بھی معین کرتی ہیں جو بندوں پر عائد ہوتے ہیں۔ حقوق کی وضاحت یوں ہوتی ہے کہ جو لوگوں کا پروردگار ہے وہی حق دار ہے کہ لوگوں کا بادشاہ حقیقی ہو، اور جو بادشاہ حقیقی ہے وہی حقدار ہے کہ لوگوں کا معبود ہو۔ اگر اس پروردگار کے سوا کوئی دوسرا لوگوں کا بادشاہ بن کر اپنا قانون اور حکم چلائے تو یہ چیز خلاف عقل و فطرت اور ناجائز ہے اور اس کے سوا اگر کسی اور کو لوگ اپنا معبود بنائیں تو یہ چیز بھی خلاف عقل وفطرت اور حرام ہے۔ (الکتاب)
شیطان کے شر سے پناہ دینے والے کی صفات:۔ اس سورت کی ابتدائی تین آیات میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان کر کے اس سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ وہ تمام لوگوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ اسے یہ خوب معلوم ہے کہ فلاں شخص کے فلاں شر سے فلاں انسان کو کیا تکلیف پہنچ سکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ تمام انسانوں کا بادشاہ بھی ہے۔ یعنی وہ انسانوں پر پورا اقتدار اور اختیار بھی رکھتا ہے اور ظاہری اسباب پر بھی اس کا پورا کنٹرول ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ الٰہ بھی ہے۔ اور الٰہ کے مفہوم میں یہ بات از خود شامل ہے کہ وہ ہر ایک کی فریاد سنتا اور اس کی دادرسی بھی کر سکتا ہے اور تمام باطنی اسباب پر بھی اس کا کنٹرول ہے۔ اور حقیقت میں ایسی ہی ہستی اس بات کی سزاوار ہو سکتی ہے کہ لوگ اس سے دوسروں کے شر سے پناہ طلب کریں۔ وہ پناہ دے بھی سکتا ہے اور دوسروں کے شر سے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے۔ (تیسیر القرآن)

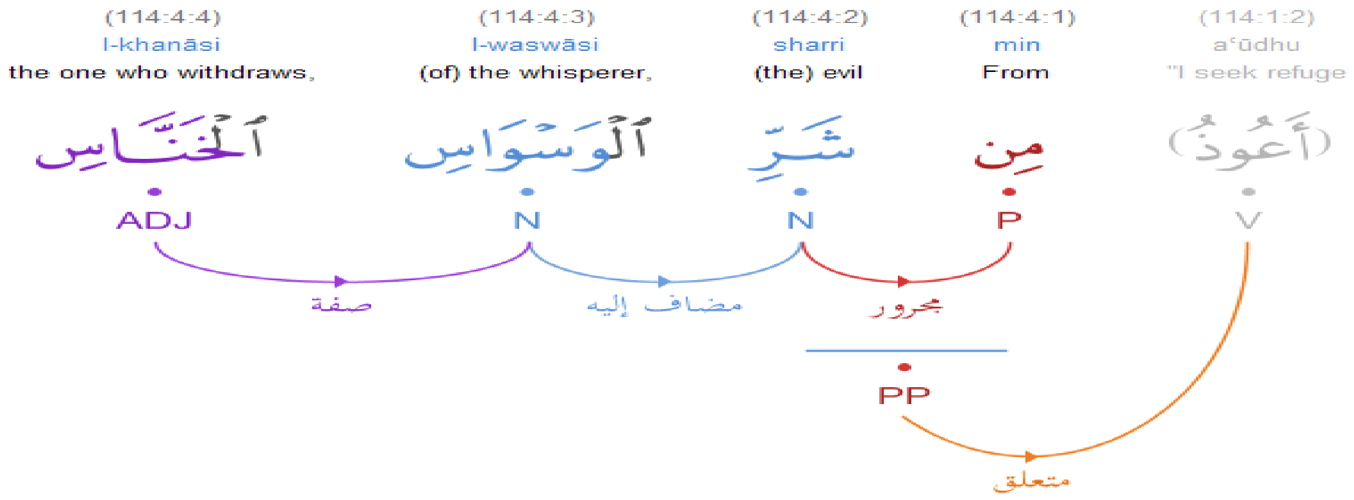

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۴)

وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے۔

الجار «من شر» متعلق بـ«أعوذ».

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ : مِنْ :حرف جار + شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ : مجرور/مرکب اضافی = مرکب جاری

شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ :شَرِّ:مضاف + اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ : مضاف الیہ = مرکب اضافی

اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ :اَلْوَسْوَاسِ : موصوف + اَلْخَنَّاسِ : صفة مجرورة صفت = مرکب توصیفی

االوسواس، بعض کے نزدیک اسم فاعل الموسوس کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ ذی الوسواس ہے۔ وسوسہ، مخفی آواز کو کہتے ہیں، شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقوں سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے اسی کو وسوسہ کہتے ہیں۔ الخناس (کھسک جانے والا) یہ شیطان کی صفت ہے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو یہ کھسک جاتا ہے اور اللہ کی یاد سے غفلت برتی جائے تو دل پر چھا جاتا ہے) (احسن البیان)

شیطان نظروں سے غائب رہ کر آدمی کو بہکاتا پھسلاتا ہے۔ جب تک آدمی غفلت میں رہا اس کا تسلط بڑھتا رہا۔ جہاں بیدار ہو کر اللہ کو یاد کیا یہ فوراً پیچھے کو کھسکا۔ (عثمانی)

وَسْوَاس طبّی نقطہ نگاہ سے یہ ایک مرض ہے جسے وہم بھی کہتے ہیں۔ یہ مرض غلبہ سودا کی وجہ سے ذہن کو ماؤف کر دیتا ہے اور انسان ایسی فضول باتیں کرنے لگتا ہے جو پہلے اس کے ذہن میں نہیں ہوتیں۔ دل میں آنے والی برائی اور بے نفع بات اور شرعی نقطہ نگاہ سے اس کا معنی شیطان کا کسی برے کام کی طرف راغب کرنا اور برے خیال دل میں ڈالتے رہنا اور اس کی نسبت صرف شیطان کی طرف ہوتی ہے۔ جس کی ایک صفت خَنّاس ہے اور خَنّاس شیطان ہی کا صفاتی نام ہے۔ خَنّاس بمعنی ظاہر ہو کر چھپ جانے والا یا سامنے آکر پھر پیچھے ہٹ جانے والا۔ شیطان کا یہ عمل صرف ایک بار ہی نہیں ہوتا بلکہ بار بار ہوتا ہے۔ وَسْوَس کے لفظ میں تکرار لفظی ہے جو تکرار معنوی پر بھی دلالت کرتا ہے۔ شیطان ایک بار وسوسہ ڈال کر چھپ جاتا ہے۔ پھر دوبارہ حملہ آور ہوتا ہے پھر چھپ جاتا ہے تآنکہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ (تیسیر القرآن)

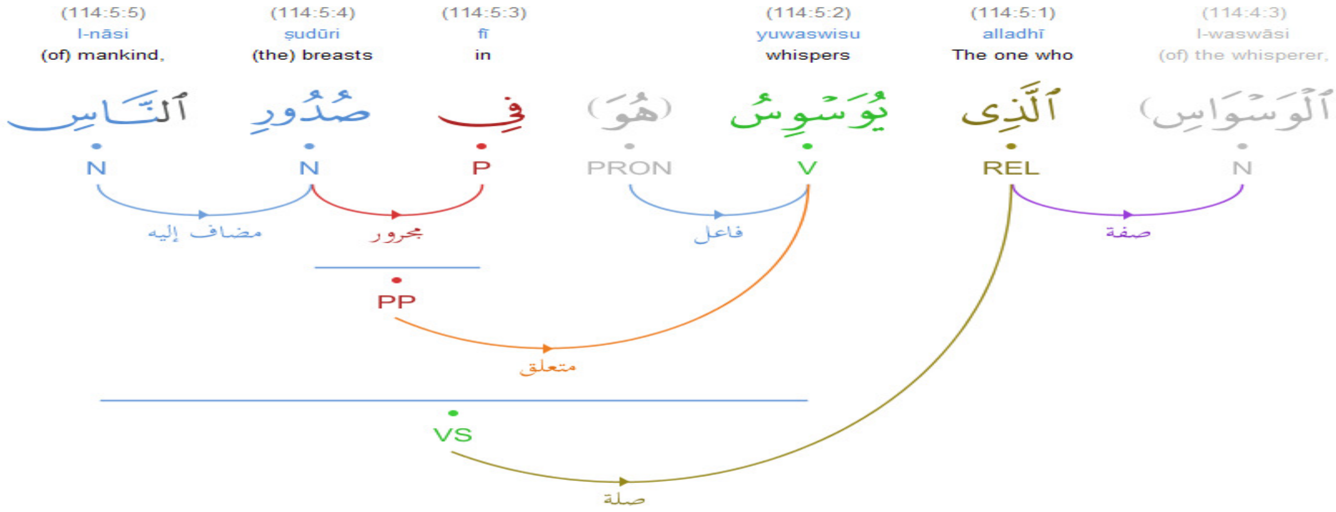

الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ(۵)

جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

»الذي« نعت لـ»الْوَسْوَاسِ.«

الَّذِیۡ :اسم موصولہ　　یُوَسۡوِسُ :مادہ: وس و س(رباعی مجرد)　　باب: فِعْلَالٌ　　زمانہ: مضارع معروف

صیغہ: واحد مذکر غائب

فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ :فِیۡ : حرف جار + صُدُوۡرِ النَّاسِ : مجرور/مرکب اضافی = مرکب جاری

صُدُوۡرِ النَّاسِ :صُدُوۡرِ: مضاف /صَدْرٌ کی جمع مکسر + اَلنَّاسِ : مضاف الیہ = مرکب اضافی

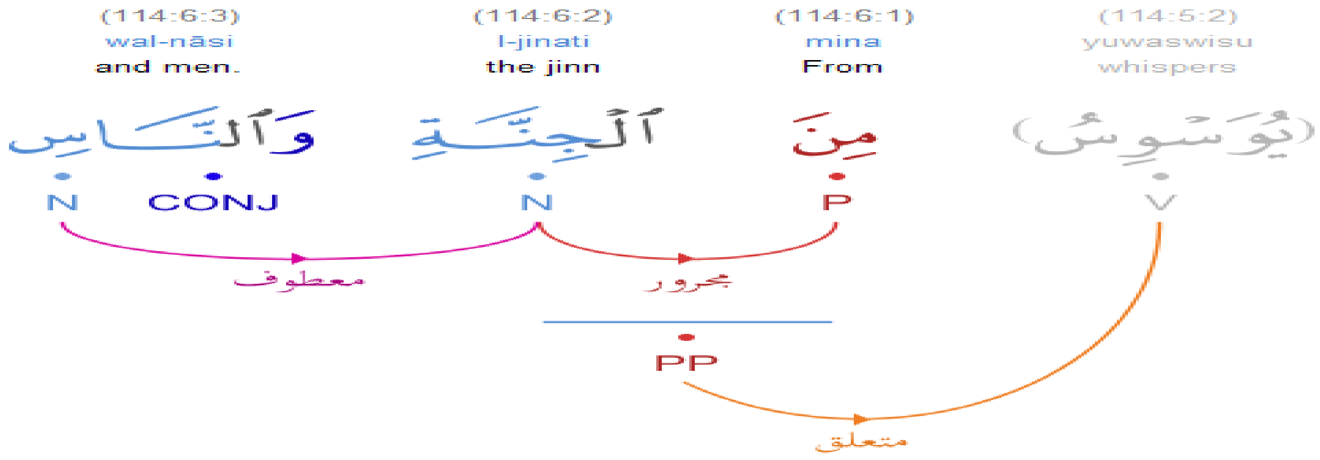

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۝

() وہ جن میں سے ہو یاانسان میں سے

(أ)

الجار متعلق بحال من فاعل» يُوَسْوِسُ.«

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ :مِنْ: حرف جار + اَلْجِنَّةِ وَالنَّاسِ: مجرور/مرکب عطفی =مرکب جاری

الإعراب :
بربّ متعلّق بـ *أعوذ* ، *ملك* بدل من ربّ - أو نعت ، أو عطف بيان عليه - مجرور *إله* بدل من ملك مجرور *من شرّ* متعلّق بـ *أعوذ* ، *الذي* موصول في محلّ جرّ نعت للوسواس *في صدور* متعلّق بـ *يوسوس* ، *من الجنّة* متعلّق بحال من فاعل يوسوس ..
جملة : « قل ... » لا محلّ لها ابتدائيّة.
وجملة : « أعوذ ... » في محلّ نصب مقول القول.
وجملة : « يوسوس ... » لا محلّ لها صلة الموصول *الذي*.
الجدول في إعراب القرآن ، ج 30 ، ص : 430
الصرف :
الوسواس اسم لمن يوسوس ، وزنه فعلال بفتح الفاء.
الخنّاس ، مبالغة اسم الفاعل من الثلاثيّ خنس أي توارى واختفى.

یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسمیں ہیں، شیاطین الجن کو تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو صحابہ کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ! کیا وہ آپ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ! میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے، اور میرا مطیع ہو گیا ہے مجھے خیر کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا (صحیح مسلم) اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے آئیں رات کا وقت تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑنے کے لیے ان کے ساتھ گئے۔ راستے میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر فرمایا کہ یہ میری اہلیہ، صفیہ بنت حیی، ہیں۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہو سکتی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے لیکن شیطان انسان کی رگوں میں خوف کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔ (صحیح بخاری)

دوسرے شیطان، انسانوں میں سے ہوتے ہیں جو ناصح، مشفق کے روپ میں انسانوں کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان جن کو گمراہ کرتا ہے یہ ان کی دو قسمیں ہیں، یعنی شیطان انسانوں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور جنات کو بھی۔ صرف انسانوں کا ذکر تغلیب کے طور پر ہے، ورنہ جنات بھی شیطان کے وسوسوں سے گمراہ ہونے والوں میں شامل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنوں پر بھی قرآن میں "رجال "کا لفظ بولا گیا ہے (وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا 72۔الجن:6) اس لیے وہ بھی ناس کا مصداق ہیں۔ (احسن البیان)

شیطان جو انسان پر مقرر ہے اس کے وسوسوں سے وہی بچانے والا ہے، شیطان ہر انسان کے ساتھ ہے۔ برائیوں اور بدکاریوں کو وہ زینت دار کر کے لوگوں کے سامنے وہ پیش کرتا رہتا ہے اور بہکانے میں راہ راست سے ہٹانے میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ اس کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جسے اللہ بچالے۔۔۔۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ شیطان برائی سکھاتا ہے جاں انسان نے اسکی مان لی پھر ہٹ جاتا ہے، پھر فرمایا جو وسوسے ڈالتا ہے لوگوں کے سینے میں، لفظ ناس جو انسان کے معنی میں ہے اس کا اطلاق جنوں پر بھی بطور غلبہ کے آ جاتا ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے برجال من الجن کہا گیا ہے تو جنات کو لفظ ناس میں داخل کر لینے میں کوئی قباحت نہیں، غرض یہ ہے کہ شیطان جنا کے اور انسان کے سینے میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ اس کے بعد کے جملے من الجنتہ والناس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن کے سینوں میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے وہ جن بھی ہیں اور انسان بھی اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ وسواس ڈالنے والا خواہ کوئی جن ہو خواہ کوئی انسان۔ (ابن کثیر)

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وسوسہ جناتی شیاطین کی طرف سے ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ مخفی طور پر انسان کے قلب میں کوئی کلام ڈال دیں مگر انسانی شیاطین تو کھلم کھلا سامنے آ کر بات کرتے ہیں، ان کا وسوسہ سے کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی شیاطین بھی اکثر ایسی باتیں کسی کے سامنے کرتے ہیں جن سے اس کے دل میں کسی معاملے کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ انسان کے دل میں وسوسہ اندازی باہر سے شیاطین جن و انس ہی نہیں کرتے بلکہ انسان کا اپنا نفس بھی کرتا ہے۔ وہ اس کو بہکاتا ہے اور برے کاموں کی طرف مائل کرتا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے نفس کے شر سے پناہ مانگنا سکھایا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشہور خطبہء مسنونہ میں فرمایا۔"نعوذباللہ من شرور انفسنا'' (ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں سے) (الکتاب)

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو معوذتین کہتے ہیں اور اگر ان کے ساتھ سورہ اخلاص کو بھی ملا لیا جائے تو انہیں معوذات کہتے ہیں۔ اور آپ کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ سورتیں پڑھ کر پہلے اپنے ہاتھوں پر پھونکتے پھر ہاتھوں کو چہرہ اور جسم پر پھیرا کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرض الموت میں معوذات پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں شدت ہوئی تو میں معوذات پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھونکتی اور اپنے ہاتھ کے بجائے برکت کی خاطر آپ ہی کا ہاتھ آپ کے جسم پر پھراتی۔ معمر نے کہا: میں نے زہری سے پوچھا (یہ دونوں اس حدیث کی سند کے راوی ہیں) کہ کیونکر پھونکتے تھے۔ انہوں نے کہا: دونوں ہاتھوں پر دم کر کے ان کو منہ پر پھیرتے (بخاری۔ کتاب الطب والمرضیٰ۔ باب الرقی بالقرآن والمعوذات)

ان دونوں سورتوں کی تفسیر میں علماء حکماء نے بہت کچھ نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ حافظ ابن قیم، امام رازی، ابن سینا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بیانات درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں صرف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ روحہ، کی تقریر کا خلاصہ درج کرتا ہوں تاکہ فوائد قرآن کے حسنِ خاتمہ کے لئے ایک فال نیک ثابت ہو، " یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ میں جب کوئی نیا پودا زمین کو شق کرتا ہوا تخم سے باہر نکل آتا ہے تو باغبان (یا مالی) اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی و سماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حدِ کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرق ریزی کرنا پڑتی ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ پودے کی زندگی کو فنا کر دینے والی یا اس کے ثمرات کے تمتع سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچا لینے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جائے گا کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جن کے انسداد کے لئے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہے (اول) ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان و دہن کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جائے جن کی جِبلت اور خِلقت میں سبزہ و گیاہ کا کھانا داخل ہے (دوسرے) کنویں یا نہر یا بارش کا پانی اور ہوا اور حرارتِ آفتاب (غرضیکہ تمام اسباب زندگی و ترقی) کے پہنچنے کا پورا انتظام ہو۔ (تیسرے) اوپر سے برف اولہ وغیرہ جو اس کی یہ حرارت غریزہ کے اختناق کا باعث

ہو۔اس پر گرنے نہ پائے۔ کیونکہ یہ چیز اس کی ترقی اور نشوونما کو روکنے والی ہے (چوتھے) مالکِ باغ کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ و برگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے یا اس کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے۔ اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بندوبست باغبان نے کر لیا تو خدا سے امید رکھنا چاہیے کہ وہ پودا بڑا ہوگا۔ پھولے پھلے گا، اور مخلوق اس کی پر میوہ شاخوں سے استفادہ کرے گی۔ ٹھیک اسی طرح ہم کو خالقِ ارض و سما سے جو رب الفلق اور فالق الحب والنویٰ اور چمنستان عالم کا حقیقی مالک و مربی ہے اپنے شجرِ وجود اور شجر ایمان کے متعلق ان ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنا چاہیے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ پس معلوم کرنا چاہیے کہ جس طرح اول قسم میں سبزہ خور جانوروں کی ضرر رسانی محض ان کی طبیعت کے مقتضیات میں سے تھی، اسی طرح "شر" کی اضافت "ماخلق" کی طرف سے بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ شر اس مخلوق میں من حیث ہو مخلوق کے واسطے ثابت ہے اور اس کے صدور میں بجز ان کی طبیعت اور پیدائشی دواعی کے اور کسی سبب کو دخل نہیں جیسا کہ سانپ بچھو اور تمام سباع و بہائم وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ نیش عقرب نہ از پے کین است مقتضائے طبیعتش این است اس کے بعد دوسرے درجہ میں "غاسق اذا وقب" سے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے جس سے مفسرین کے نزدیک مراد یا تو رات ہے جب خوب اندھیری ہو، یا آفتاب ہے جب غروب ہو جائے، یا چاند ہے جب اس کو گہن لگ جائے ان میں سے کوئی معنی لو۔ اتنی بات یقینی ہے کہ غاسق میں سے شر کا پیدا ہونا اس کے وقوب (چھپ جانے) میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ ہم سے منقطع ہو جائے اور جو فوائد اس کے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے وہ اب ہاتھ نہ آئیں۔ لیکن جب یہ ہے تو یہ تمثیل اسباب و مسببات سے زیادہ اور کسی چیز پر چسپاں نہیں ہوتی۔ کیونکہ مسبّب کا وجود اسباب و معدات کے وجود پر موقوف ہوتا ہے۔ اور جب تک اسباب کا علاقہ مسببات کے ساتھ قائم نہ ہو، ہر گز کوئی مسبّب اپنی ہستی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وہ بات ہے جس کو ہم نے آفت کی دوسری قسم میں یہ کہہ کر بیان کیا تھا کہ پانی، ہوا اور حرارت آفتاب (غرض کل اسباب زندگی و ترقی) کا اگر خاطر خواہ انتظام نہ ہو تو وہ پودا کملا کر خشک ہو جائے گا اب اس کے بعد تیسرا تعوذ "نفاثاتِ فی العقد" سے کیا گیا، جس سے میں کہہ چکا ہوں ساحرانہ اعمال مراد ہیں۔ جو لوگ سحر کا وجود تسلیم کرتے ہیں وہ یہ مانتے ہیں کہ سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے امور عارض ہو جاتے ہیں جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہو کر دب جائیں تو سحر کی یہ آفت اس آفت سے بہت ہی مشابہ ہوئی جو پودے پر برف وغیرہ گرنے اور حرارت غریزیہ کے محتقن (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی جس سے اس کا نشوونما رک جاتا تھا۔ لبید بن اعصم کے قصہ میں جو الفاظ آئے ہیں۔" فقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کانما انشط من عقال" ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز نے مستولی ہو کر آپ کے مقتضیاتِ طبیعت کو چھپا لیا تھا جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے تعوذ سے باذن اللہ دفع ہو گئی۔ اب ان آفات میں سے جن سے تحرز کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا صرف ایک آخری درجہ باقی ہے۔ یعنی کوئی مالکِ باغ کا دشمن بربناءِ عداوت وحسد پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے یا اس کی شاخ و برگ کاٹ ڈالے۔ "شر" کے اس مرتبہ کو "من شر حاسد اذا حسد" نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا ہاں اس تقریر میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی کبھی تخم کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا، بلکہ روئیدگی سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن میں سے وہ خاص جوہر چوس لیتی ہیں جس سے تخم کی روئیدگی ہوتی ہے اور جس کو ہم "قلب الحبوب" یا "سویدائے تخم" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھلا ہو جاتا ہے اور قابل نشوونما نہیں رہتا۔ شاید اسی سرسری کمی کی تلافی کے لئے دوسری سورت میں "الوسواس الخناس" کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی۔ کیونکہ "وسواس" ان ہی فاسد خطرات کا نام ہے جو ظاہر ہو کر نہیں، بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ اور جن کا علاج عالم الخفیات والسرائر کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں۔ لیکن جب وساوس کا مقابلہ ایمان سے ٹھہرا تو دفعِ وساوس کے واسطے انہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوئی جو ایمان کے اصل مبادی و مناشی گنے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے۔ اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اول ایمان (انقیاد و تسلیم) کا نشوونما حق تعالیٰ کی تربیت ہائے بے پایاں اور انعامات بے غایت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب ہم ان کس ربوبیتِ مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن ادھر منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شہنشاہِ مطلق بھی ہے کیونکہ تربیتِ مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی و روحانی ضروریات بہم پہنچانے کے ہیں اور یہ کام بجز ایسی ذات منبع الکمالات کے اور کسی سے بن نہیں پڑ سکتا۔ جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہء اقتدار سے خارج نہ ہو سکے۔ ایسی ہی ذات کو ہم "مالک الملک" اور "شہنشاہِ مطلق" کہہ سکتے ہیں۔ اور لاریب اسی کی یہ شان ہونی چاہئے۔ "لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار" گویا "مالکیت" یا "ملکیت" ایک ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ "ربوبیت" سے موسوم ہوتا ہیں کیونکہ ربوبیت کا کل خلاصہ اعطاءِ منفعت اور دفعِ مضرت ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا ہی ملک علی الاطلاق کا منصب ہے۔ پھر ذرا اور آگے بڑھتے ہیں تو ملک علی الاطلاق ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت (الٰہیت) کا سراغ ملتا ہے۔ کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جائے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے

کے حکم کی اصلا پروانہ کی جائے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد و بندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور ان دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے معبودیت والٰہیت کی صفت بھی تنہا اسی وحدہ لاشریک لہ، کے لئے ثابت ہو گئی۔ پڑھو "اتعبدون من دون اللہ مالا یملک لکم ضرا ولا نفعا" غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء بنتی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد صفت ملکیت اور سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے۔ پس جو شخص اپنے ایمان کو وسواس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لئے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں چارہ جوئی کرے گا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا مناسب ہوگا جس طرح خود اس نے بالترتیب اپنی صفات (رب الناس، ملک الناس، الہ الناس) کو سورہ "الناس" میں بیان فرمادیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذبہ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر واؤ عطف اور بغیر اعادہ باء جارہ کے مذکور ہیں اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت در صفت کر کے بیان کی گئی ہیں۔ اس کو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو صفت الوہیت کے مقابلہ میں رکھو، کیونکہ جس طرح مستعاذبہ حقیقی "الہ الناس" ہے اور "ملک" و "رب" اسی تک رسائی حاصل کرانے کے عنوان قرار دیے گئے ہیں، اسی طرح مستعاذ منہ کی حقیقت یہ ہی وسواس ہے جس کی صفت آگے "خناس" بیان فرمائی ہے۔ "خناس" سے مراد یہ ہے کہ شیطان بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسواس ڈالتا رہتا ہے، اور جب کوئی بیدار ہو جائے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے ایسے چوروں اور بدمعاشوں کا بندوبست اور ان کے دستِ تعدی سے رعایا کو مصوٴن و مامون بنانا بادشاہان وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ اس صفت کے مقابل "ملک الناس" کو رکھا جائے۔ اور "الذی یوسوس فی صدور الناس" جو "خناس" کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے نقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ اس کو "رب الناس" کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق "ملک الناس" کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جائے۔ پھر دیکھئے کہ مستعاذ منہ اور مستعاذبہ میں کس قدر تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کلامہ۔ (تنبیہ) کئی صحابہ (مثلاً عائشہ صدیقہ، ابن عباس زید بن ارقم رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض یہود نے سحر کیا۔ جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہو گیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دنیاوی کام کر چکے ہیں، مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا۔ یا ایک کام نہیں کیا اور خیال ہوتا تھا کہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاج کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے جس پر آج تک کسی محدث نے جرح نہیں کی۔ اور اس طرح کی کیفیت منصبِ رسالت کے قطعاً منافی نہیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بیمار ہوئے۔ بعض اوقات غشی طاری ہو گئی یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہو گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی" (میں بھی ایک بشر ہی ہوں جیسے تم بھولتے ہو، میں بھی بھولتا ہوں، میں بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو) کیا اس غشی کی کیفیت اور سہو و نسیان کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب وحی پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری باتوں پر کیسے یقین کریں، ممکن ہے ان میں بھی سہو و نسیان اور بھول چوک ہو گئی ہو۔ اگر وہاں سہو و نسیان کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی الٰہی اور فرائض تبلیغ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے لگیں، تو اتنی بات سے کہ احیاناً آپ ایک کام کر چکے ہوں اور خیال گزرے کہ نہیں کیا، کس طرح لازم آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات اور فرائض بعثت سے اعتبار اٹھ جائے۔ یاد رکھیے سہو و نسیان، مرض اور غشی وغیرہ عوارض خواصِ بشریت سے ہیں۔ اگر انبیاء بشر ہیں، تو ان خواص کا پایا جانا اس کے رتبہ کو کم نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جب ایک شخص کی نسبت دلائل قطعیہ اور براہین نیرہ سے ثابت ہو جائے کہ وہ یقیناً اللہ کا سچا رسول ہے، تو ماننا پڑے گا کہ اللہ نے اس کی عصمت کا تکفل کیا ہے اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ناممکن ہے کہ اس کے فرائض دعوت و تبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس ہو، یا شیطان، مرض ہو، یا جادو، کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی، جو مقصد بعثت کے متعلق ہیں۔ کفار جو انبیاء کو "مسحور" کہتے تھے، چونکہ ان کا مطلب نبوت کا ابطال اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہی، گویا "مسحور" کے معنی "مجنون" کے لیتے تھے اور وحی الٰہی کو جوشِ جنون قرار دیتے تھے (العیاذ باللہ) اس لئے قرآن میں ان کی تکذیب و تردید ضروری ہوئی۔ یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام لوازم بشریت سے مستثنٰی ہیں۔ اور کسی وقت ایک آن کے لئے کسی نبی پر سحر کا معمولی اثر جو فرائضِ بعثت میں اصلاً خلل انداز ہو نہیں ہو سکتا۔ (تنبیہ دوم) معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے۔ صرف ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے۔ لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا۔ وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے۔ مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا۔ معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یا نہیں اس لئے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے،

خلاف احتیاط ہے۔ روح البیان میں ہیں۔ "انہ کان لا یعد المعوذتین من القرآن وکان لا یکتبھما فی مصحفہ یقول انھما منزلتان من السماء و ھما من کلام رب انھما من القرآن اولیستا منہ فلم یکتبھما فی المصحف" (صفحہ ۲۳۷ جلد ۴) قاضی ابو بکر باقلانی لکھتے ہیں۔ "لم ینکر ابن مسعود کو نھما من القرآن و انما انکر اثباتھما فی المصحف فانہ کان یری ان لا یکتب فی المصحف شیأا الا ان کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذن فی کتابتہ فیہ و کانہ لم یبلغہ الاذن" (فتح الباری صفحہ ۵۷۱ جلد ۸) حافظ نے ایک اور عالم کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں لم یکن اختلاف ابن مسعود مع غیرہ فی قرآنیتھما وانما کان فی صفتہ من صفاتھما۔ (فتح الباری صفحہ ۵۷۱ جلد ۵) بہر حال ان کی یہ رائے بھی شخصی اور انفرادی تھی اور جیسا کہ بزار نے تصریح کی ہے۔ کسی ایک صحابی نے ان سے اتفاق نہیں کیا اور بہت ممکن ہے کہ جب تواتر سے ان کو ثابت ہو گیا ہو کہ یہ بھی قرآن متلو ہے تو اپنی رائے پر قائم نہ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ ان کی یہ انفرادی رائے بھی محض خبر واحد سے معلوم ہوئی ہے جو تواتر قرآن کے مقابلہ میں قابل سماعت نہیں ہو سکتی۔ شرح مواقف میں ہے۔ ان اختلاف الصحابۃ فی بعض سورالقرآن مروی بالاحاد المفیدۃ للظن و مجموع القرآن منقول بالتواتر المفید الیقین الذی یضمحل الظن فی مقابلتہ فتلک الا حا دمما لا یلتفتِ الیہ ثم ان سلمنا اختلافھم فیما ذکر قلنا انھم لم یختلفوا فی نزولہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی بلوغہ فی البلاغۃ حد الاعجاز بل فی مجرد کونہ من القرآن و ذٰلک لا یضر فیما نحن بصددہ ۱ھ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ واجیب باحتمال انہ کان متواتر افی عصر ابن مسعود لکن لم یتواتر عند ابن مسعود فانحلت العقدۃ بعون اللّٰہ تعالیٰ الخ اور صاحب المعانی کہتے ہیں۔ ولعل ابن مسعود رجع عن ذٰلک۔ اھ (عثمانی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ** ﴿۱﴾ خَالِقُهُمْ وَمَالِكُهُمْ خُصُّوْا بِالذِّكْرِ تَشْرِيْفًا لَّهُمْ وَمُنَاسِبَةً لِّلْاِسْتِعَاذَةِ مِنْ شَرِّ الْمُوَسْوِسِ فِيْ صُدُوْرِهِمْ **مَلِكِ النَّاسِ** ﴿۲﴾ **اِلٰهِ النَّاسِ** ﴿۳﴾ بَدَلَانِ اَوْ صِفَتَانِ اَوْ عَطْفَا بَيَانٍ وَّاَظْهَرَ الْمُضَافَ اِلَيْهِ فِيْهِمَا زِيَادَةً لِّلْبَيَانِ **مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ** الشَّيْطَانِ سُمِّيَ بِالْحَدَثِ لِكَثْرَةِ مُلَابَسَتِهٖ لَهٗ **الْخَنَّاسِ** ﴿۴﴾ لِاَنَّهٗ يَخْنُسُ وَيَتَاَخَّرُ عَنِ الْقَلْبِ كُلَّمَا ذَكَرَ اللّٰهَ **الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ** ﴿۵﴾ قُلُوْبِهِمْ اِذَا غَفَلُوْا عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ **مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ** ﴿۶﴾ بَيَانٌ لِّلشَّيْطَانِ الْمُوَسْوِسِ اَنَّهٗ جِنِّيٌّ وَّاِنْسِيٌّ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اَوْ مِنَ الْجِنَّةِ بَيَانٌ لَّهٗ وَالنَّاسُ عَطْفٌ عَلَى الْوَسْوَاسِ وَعَلٰى كُلٍّ يَشْمِلُ شَرَّ لَبِيْدٍ وَبَنَاتِهِ الْمَذْكُوْرِيْنَ وَاعْتُرِضَ الْاَوَّلُ بِاَنَّ النَّاسَ لَا يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِهِمُ النَّاسُ اِنَّمَا يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِهِمُ الْجِنُّ وَاُجِيْبَ بِاَنَّ النَّاسَ يُوَسْوِسُوْنَ اَيْضًا بِمَعْنًى يَلِيْقُ بِهِمْ فِي الظَّاهِرِ ثُمَّ تَصِلُ وَسْوَسَتُهُمْ اِلَى الْقَلْبِ وَتَثْبُتُ فِيْهِ بِالطَّرِيْقِ الْمُؤَدِّيْ اِلٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

سورۂ ناس مکیہ ہے یا مدنیہ ہے۔اس میں چھ آیات ہیں۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:.......... آپ کہئے، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب (ان کے خالق و مالک سے انسانوں کی تخصیص ان کے شرف کی وجہ سے ہے اور دلوں میں وسوسے ڈالنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کی مناسبت سے)انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبود حقیقی کی (یہ دونوں الفاظ بدل یا صفت یا عطف بیان ہیں اور ان دونوں میں مضاف الیہ کا اظہار زیادہ وضاحت کے لیے ہے) اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے (مراد شیطان ہے جس کا نام حدث ہے بکثرت وسوسہ اندازی کی وجہ سے)جو بار بار پلٹ کر آتا ہے (ذکر اللہ کے وقت دل سے ہٹ جاتا ہے اور پیچھے ہو جاتا ہے) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (ذکر اللہ سے غافل ہونے پر) خواہ وہ جن ہو یا آدمی (وسوسہ انداز شیطان کا بیان ہے کہ وہ جن ہو یا انسان، جیسے دوسری آیت میں ہے۔ شیاطین الانس و الجن یا صرف من الجنة بیان ہو۔اور الناس کا الوسواس پر عطف ہے۔بہرصورت یہ لبید اور اس کی لڑکیوں کو بھی شامل ہے۔پہلی ترکیب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔انسانوں کے دلوں میں انسان وسوسہ نہیں ڈالتے۔ بلکہ جن وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں۔لیکن جواب یہ ہے کہ انسان بھی وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں ایسے انداز سے جو ان کے مناسب ہو۔ پھر

وہ وسوسہ دلوں تک پہنچ کر جاگزیں ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم)

تحقیق وترکیب:.......... **سورۃ الناس** ۔ یہ بھی سورۂ فلق کی طرح مختلف فیہ ہے۔ لیکن واقعہ سحر پر نظر کی جائے جو ۷ ھ میں پیش آیا۔ تو ان کا مدنی ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی پہلے گزر چکی ہے۔ **قل اعوذ** دونوں سورتوں میں یہ لفظ حذف ہمزہ اور اس کی حرکت لام پر منتقل کر کے بھی پڑھا گیا ہے۔ سورۂ کافرون و اخلاص و معوذتین کے شروع میں لفظ **قل** آنے کی وجہ سے عوام ان کو چاروں **قل** کہتے ہیں۔ سورۂ **فلق** کی طرح یہاں بھی **اعوذ باللہ** کی بجائے اللہ کی تین صفات کے ذریعہ استعاذہ کیا گیا ہے۔ ایک **رب الناس**، دوسرے **ملک الناس**، تیسرے **الٰہ الناس**۔ **اللہ** کے معنی فرضی معبود کے بھی آتے ہیں اور حقیقی معبود کے بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ سورۂ فلق میں بدنی مضرتوں سے استعاذہ کیا گیا ہے۔ انسان کی طرف سے ہوں یا دوسرے مخلوق کی طرف سے۔ لیکن سورۂ ناس میں صرف انسانی نفوس کو جو مضرتیں عارضی ہوتی ہیں ان سے استعاذہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا **رب الفلق** میں اضافت عام اور **رب الناس** میں اضافت خاص ہوگی۔ اور اللہ اگرچہ رب العالمین ہے۔ لیکن انسان کی تخصیص اس کے شرف کی وجہ سے ہے کہ جب اللہ انسانوں کا رب ہے تو دوسری مخلوق کا بدرجہ اولیٰ ہے۔ نیز جب وہ انسانی شرارت سے پناہ دے سکتا ہے۔ تو دوسری مخلوق کی شر سے بدرجہ اولیٰ پناہ دے گا۔ اور وسوسہ جن کے دلوں میں ہوتا ہے وہ بھی انسان ہیں۔ ان تینوں لفظوں کی ترتیب بڑی لطیف ہے۔ کہ اول اللہ کی ربوبیت، پھر اس کی بادشاہت پھر اس کی معبودیت کا ذکر کیا گیا۔

اور **ملک الناس الٰہ الناس** دونوں لفظ **رب الناس** سے عطف بیان بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ رب ممکن ہے بادشاہ نہ ہو اور بادشاہ ممکن ہے کہ معبود نہ ہو۔ اگرچہ اضافت ضمیر کی طرف ہو سکتی تھی۔ لیکن مزید بیان یا تعظیم کے لیے مضاف الیہ اسم ظاہر لایا گیا ہے اور بعض نے توجیہ کی ہے کہ **رب الناس** میں بچے اور **ملک الناس** بڑے آدمی مراد ہیں۔ کیونکہ بچے تربیت کے محتاج ہوتے ہیں اور بڑے وساوس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور **الٰہ الناس** میں بوڑھے مراد ہیں۔ کیونکہ وہ مصروف عبادت رہتے ہیں۔ اس صورت میں لفظ **الناس** مکرر نہیں رہتا۔

من شر الوسواس الخناس۔ اس کا تعلق **اعوذ** سے ہے۔ سورۂ فلق میں مستعاذ منہ تین چیزیں تھیں اور مستعاذ ایک تھا۔ لیکن سورۂ ناس میں اس کے برعکس مستعاذ منہ ایک یعنی وسوسہ ہے اور مستعاذ تین صفات الٰہیہ ہیں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ پچھلی سورت میں بدنی مضرات کا بیان تھا اور وہ متعدد ہیں اور اس سورت میں نفسانی مضرت کا بیان ہے۔ اور وہ ایک ہے۔ اور چونکہ بدن کی سلامتی کا پیش خیمہ اور وسیلہ ہے اس لیے اس کو مقدم کیا گیا ہے۔ وسواس اور وسوسہ، زلزال اور زلزلہ کی طرح دونوں مصادر ہیں۔ اگر فعلال کو اوزان مصدر میں مانا جائے۔ ورنہ اسم مصدر ہے۔ یا **وسواس** اور **خناس** کو مبالغہ کہا جائے۔ شیطان کو وسواس یا وسوسہ **زید عدل** کی طرح مبالغہ کے لیے کہا گیا ہے۔ یا مضاف محذوف مانا جائے۔ ای **ذو الوسواس، الخناس**، خنس کے معنی مٹنے اور لوٹنے کے ہیں۔

فی صدور الناس۔ جس طرح قوت واہمہ قوت عاقلہ کی معاون ہوتی ہے۔ اسی طرح وسوسہ شیطان کا مددگار ہے۔ انسان جب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان موقعہ سے فائدہ اٹھا کر وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ یہ محل جر میں ہے صفت کی وجہ سے یا محل نصب ورفع میں ہے مذمت کے طور پر۔

من الجنة والناس۔ یہ وسواس کا بیان ہے یا **الذی** کا بیان ہے یا **یوسوس** سے متعلق ہے اور بعض نے اس کو **الناس** کا بیان کہا ہے۔ جب کہ **الناس** سے مراد عام ہو۔ انسان اور جنت دونوں شامل ہے۔ لیکن اس صورت میں تکلف کر کے کہنا پڑے گا۔ ناس بمعنی ناسی ہے۔ جیسے **یوم یدع الداع** میں **داع** بمعنی **داعی** ہے اور نسیان انسان اور جن دونوں کو ہوتا ہے۔ مفسر علام نے دوسری ترکیب یہ فرمائی۔ کہ **من الجنة** بیان قرار دیا جائے اور **الناس** کا عطف **الوسواس** پر کہا جائے۔ اس کے بعد پہلی ترکیب یعنی **من الجنة والناس** کو **وسواس** کا بیان قرار دینے پر یہ اعتراض کیا۔ کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ حالانکہ وسوسہ اندازی

شیطان کا کام ہے۔ پھر اس کا جواب دیا کہ انسان بھی وسوسہ کرسکتا ہے۔ اس طرح وسوسہ کے اسباب اختیار کرتا ہے۔ مثلاً: چغلخوری کرتا ہے۔ دوسرا اس چغلخوری کو سنتا ہے۔ جس سے دل میں وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پس گویا انسان ہی نے وسوسہ ڈالا ہے۔

۱: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (آپ کہیے کہ میں آدمیوں کے مالک کی) ان کا مربی اور ان کا مصلح۔

۲: مَلِكِ النَّاسِ (آدمیوں کے بادشاہ) ان کے مالک اور ان کے امور کے مدبر و منتظم۔

۳: اِلٰهِ النَّاسِ (آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں) ان کا معبود

نکتہ: نمبر ۱: آیات میں مضاف الیہ کو ایک مرتبہ ظاہر کرنے پر اکتفاء نہیں فرمایا کیونکہ ملک الناس، الٰہ الناس۔ یہ دونوں رب الناس کے عطف بیان ہیں کیونکہ عربوں کی بولی میں رب اور ملک کی نسبت لوگوں کی طرف کی جاتی رہتی ہے۔ مگر الٰہ الناس معبود ہونا یہ اسی ذات کی خصوصیت ہے۔ اس میں کسی کی شراکت وسہامت نہیں ہے۔ اور عطف بیان آتا ہی بیان وضاحت کیلئے ہے پس اظہار مضاف الیہ ضروری تھا نہ کہ اضمار۔

نمبر ۲۔ رب کی نسبت خصوصاً الناس کی طرف کی گئی۔ اگرچہ وہ رب کل شئی ہے یہ انسانوں کو شرف بخشنے کیلئے ایسا کیا گیا اور اس لئے بھی کہ استعاذہ تو لوگوں کے دلوں میں موسوس کے شر کے سبب سے واقع ہوا پس الناس کا ذکر مناسب ہے۔ گویا اس طرح فرمایا: اعوذ من شر الموسوس الی الناس بربهم الذی یملك علیهم امور هم وهو الٰههم و معبود هم میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو لوگوں میں ان کے اس رب کے متعلق وسوسہ ڈالتا ہے جو کہ ان کا مالک امور ہے اور وہی ان کا الٰہ اور وہی ان کا معبود ہے۔

ایک قول یہ ہے:

کہ پہلے الناس سے مراد اطفال ہیں۔ ربوبیت کا معنیٰ اس پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرے النّاس سے نوجوان ہیں لفظ ملک جو حکم چلانے کو ظاہر کرتا ہے وہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اور تیسرے النّاس سے بوڑھے مراد ہیں۔ اور لفظ الٰہ جو عبادت کی خبر دینے والا ہے وہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اور چوتھے الناس سے صالحین مراد ہیں۔ اس لئے کہ شیاطین انہی کو اغواء کرنے کے زیادہ درپے ہوتے ہیں۔ اور پانچویں الناس سے مراد مفسدین ہیں۔ کیونکہ اس کا عطف معوذ منہ (جس سے پناہ مانگی جارہی ہے) اس پر ہے۔ (یعنی الجن)

۴: مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ (وسوسہ ڈالنے والے) الوسواس یہ اسم ہے جو کہ الوسوسہ کے معنی میں ہے اس کی نظیر الزلزال بمعنی زلزلہ ہے۔ باقی مصدر وسواس کسرۂ واو کے ساتھ ہے جیسے زلزال۔ اور اس سے مراد شیطان ہے۔ مصدر بول کر اس کا نام رکھا گیا گویا وہ فی نفسہ وسوسہ ہے کیونکہ یہ اس کا وہ مشغلہ ہے۔ جس میں وہ ہر وقت مصروف و مستغرق ہے۔ یا مراد ذوالوسواس ہے۔ الوسوسہ ہلکی آواز۔

الْخَنَّاسِ (پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے) جس کی عادت یہ ہو کہ وہ وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جائے۔ یہ الخنوس سے بنا ہے۔ جس کا معنیٰ متاخر ہونا۔ جیسا العواج والبجات۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول:

جب انسان اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹتا اور مڑ کر بھاگ جاتا ہے اور جب وہ اس کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے تو واپس لوٹ کر پھر اس کو وسوسہ ڈالتا ہے۔

۵: الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ (جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے)

نحو: یہ صفت ہونے کی وجہ سے محلا مجرور ہے۔ نمبر۲۔ محل رفع میں ہے۔ نمبر۳۔ شتم کی بناء پر محل نصب میں ہے۔ ان پچھلی دونوں صورتوں میں الخناس پر وقف کرنا اچھا ہے۔

۶: مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (خواہ وہ جن ہو یا آدمی) یہ الذی یوسوس کا بیان ہے شیطان دو قسم کے ہیں۔ نمبر۱۔ جنی۔ نمبر۲۔ انسی، جیسا فرمایا: شَیَاطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ [الانعام: ۱۱۲]

القرآن الکریم

تشریحات وتراجم :

قرآن اکیڈمی کے نوٹس برائے قرآن فہمی

جناب لطف الرحمان صاحب کے کورس کے نوٹس : مطالعہ قرآن حکیم خط وکتابت کورس

http://corpus.quran.com/treebank.jsp?chapter=1&verse=1

الجَدْوَل في إعْرَاب القرآن الكريم

صافی محمود بن عبد الرحيم

http://adel-ebooks.mam9.com/

http://b.m93b.com/

تفسیر جلالین، اردو شرح تفسیر کمالین۔ دارالاشاعت

تفسیر مدارک، اردو شرح۔ مکتبہ العلم

آیات کا ترجمہ : مولانا جوناگڑھی۔ Easy Quran Wa Hadeeth

http://www.quranexplorer.net/quran/